قرآن کریم اور سنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۶ شمارہ: ۹

رمضان المبارک: ۱۴۴۴ھ - اپریل: ۲۰۲۳ء

قیمت فی شمارہ: ۵۰ روپے، زرِ سالانہ: ۶۰۰ روپے

مُدیر/مُدیر مسئول

مولانا سیّد سلیمان یوسف بنوری

نائب مُدیر

مولانا سیّد احمد یوسف بنوری

مُدیر مُعاون

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

خط وکتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465

فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

یورپ اور امریکی ممالک، وغیرہ: 40 امریکی ڈالر

عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 35 امریکی ڈالر

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 0101900-397-7 برانچ کوڈ: 00816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

وضاحت

ماہنامہ ''بینات'' میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس: 92-21-34919531 +

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری **مطبع:** شفق پرنٹنگ پریس **طابع:** حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

رمضان المبارک... دینی اور مِلّی تقاضے!	۳	مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مقالات و مضامین

مکاتیبِ بنوریؒ ... مکتوب بنام حضرت تھانویؒ اور اُن کا جواب	۱۲	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
حضرت ابوہریرہؓ سے بکثرت روایات کے اسباب (قسط:۱)	۱۵	ترجمہ: مولانا محمد یاسر عبداللہ
اسلافِ اُمت کا رمضان میں تلاوتِ قرآن کا معمول	۲۵	مولوی عصمت اللہ نظامانی
جامعہ بنوری ٹاؤن میں تخصص فی الدعوۃ والارشاد... تعارف	۳۳	مولوی آصف ملک
ہمارا نوجوان... تحفظات، خدشات، اقدامات	۴۱	مولانا سفیان علی فاروقی
غزوۂ تبوک میں پنہاں تربیتی پہلوؤں پر ایک نظر!	۴۷	مولوی محمد طیب حنیف
اعلانِ داخلہ برائے تعلیمی سال 1444ھ-1445ھ	۵۶	از شعبہ تعلیمات، جامعہ

دار الافتاء

سحری میں دعا اور نیت سے متعلق چند احکام	۶۰	
شوگر کے مریض کے لیے روزے کا حکم	۶۲	

نقد و نظر

مسئلہ طلاقِ ثلاثہ	۶۳	ادارہ

رمضان المبارک...دینی اور مِلّی تقاضے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفی

اللہ تعالیٰ کی رحمتوں، برکتوں، انوار کے نزول اور مغفرت کا مہینہ شروع ہے۔ یہ مہینہ درحقیقت تخلیق اور حیات کے مقصد کی طرف رجوع، اِنابت الی اللہ اور اَحوال کی اِصلاح کا مہینہ ہے۔ اس ماہ کی ہر ساعت کو اللہ تعالیٰ کے ہاں تقدس حاصل ہے، اس میں انجام دیے جانے والے نیک اعمال دنیا وآخرت کے بیش بہا فوائد کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ روزے کو تقوے کے حصول کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے تو قرآن مجید اس ماہِ مقدس میں نازل فرما کر اسے انسان کے لیے ہدایت کے واضح دلائل اور حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا قرار دیا گیا ہے۔ اس مہینے کا نام ’’رمضان‘‘ رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ’’رمضان‘‘ کا معنی ہے: ’’جلانے والا‘‘، چوں کہ اس مہینے میں انسانوں کے گناہ جلا کر ختم کر دیے جاتے ہیں، اس وجہ سے اسے ’’رمضان‘‘ کا نام دیا گیا۔ اس ماہِ مبارک میں رات دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے شمار لوگوں کی بخشش کے فیصلے ہوتے ہیں، اس کے معمولات اور مناجات جہاں زنگ آلود دلوں کو صیقل کر کے جِلا بخشتے ہیں، وہیں قلوب میں ایسی رقت پیدا کرتے ہیں جس سے حق کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، اس میں اضافہ ہوتا ہے، ایمان وتوکل اور مطلوبہ صفات میں ترقی ہوتی ہے، آخری عشرہ تو گویا جہنم سے آزادی و

خلاصی کا پروانا ہے۔ رمضان کے ہمہ جہتی فوائد کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ طاعات کے علاوہ انفرادی اور اجتماعی طور پر منتشر زندگی اس مہینے میں اعتدال کے ساتھ اپنے مدار میں لوٹ آتی ہے، حتیٰ کہ صحت اور خوراک وغیرہ امور کی چکی بھی فطری طور پر اپنے مرکز کے گرد گھومنا شروع ہو جاتی ہے۔

حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے اُمتِ مرحومہ کو ایک مرتبہ پھر یہ موقع غنیمت دیا گیا ہے کہ اس مبارک مہینے میں اپنے مقصدِ حیات کی طرف لوٹ آئے اور بگڑے ہوئے اَحوال کی اِصلاح کرلے۔ پوری اُمت عموماً اور وطنِ عزیز کے باشندگان خصوصاً اس وقت جن کرب ناک اَحوال سے گزر رہے ہیں، ہر صاحبِ بصیرت ان سے آگاہ بھی ہے اور فکرمند بھی، لیکن آزمائشیں ایسی ہمہ گیر اور فتنے اس تواتر سے ہیں کہ حدیث شریف کے مصداق، انتہائی زیرک، بردبار اور صاحبِ علم بھی حیران نظر آتا ہے۔ اس سے پہلے مملکتِ خداداد کو کئی مرتبہ سیاسی عدمِ استحکام کا سامنا رہا ہے، یہ ملک دفاعی اعتبار سے بھی نازک حالات سے گزرا ہے، یہاں تک کہ اسے دولخت ہونا پڑا، نظریاتی و ذہنی خلفشار کا بحران بھی دیکھا گیا، لیکن آج سیاسی، معاشی، سماجی، دینی اور اخلاقی اعتبار سے جس افلاس اور قحط کے دور سے گزر رہا ہے، ہماری ملکی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ معیشت کی گتھی سلجھانے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ مزید اُلجھتی جارہی ہے۔ قومی اتفاق اور طویل المیعاد مفاہمتی منصوبوں کے آوازے مختلف اطراف سے لگ رہے ہیں، لیکن باہم رسہ کشی ہے کہ بڑھتی ہی جارہی ہے۔ ملکی حالات دگرگوں ہیں، عوام و خواص میں ملک و ملت کے لیے خلوص و خیرخواہی کا فقدان نظر آتا ہے۔ رعایا، حکمرانوں اور دیگر مقتدر حلقوں میں ایک دوسرے کے لیے بداعتمادی اور منافقانہ روش کا جو بیج بودیا گیا ہے، اس سے اختلاف کی خلیج وسیع تر ہوتی جارہی ہے۔ آبادی کا قریباً چوتھائی حصہ بنیادی سہولیات سے محروم ہے، لیکن اشرافیہ کی شاہ خرچیوں اور عوام کی فضول خرچی میں فرق نہیں آرہا، نتیجتاً پوری قوم اوپر سے نیچے تک مخلوق کے سامنے دستِ سوال دراز کیے نظر آتی ہے۔ آئین و قانون جس کے تقدس اور پاسداری کا حلف لیا جاتا ہے، اسے بیچ چوراہے رسوا کیا جارہا ہے، سیاسی بحران ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تو اخلاقی بحران روز افزوں ترقی پر ہے، حیا کا تو گویا جنازہ نکال دیا گیا ہے۔ صادق و مصدوق رسول اللہ ﷺ نے بالکل درست فرمایا کہ: ’’اگر تم میں حیا نہ رہے تو جو چاہو کرو۔‘‘ جب حیا ہی ختم ہو جائے تو پھر انسان عہدوں کا تقدس بھی خاطر میں نہیں لاتا۔

الغرض پوری قوم اخلاقی گراوٹ کا شکار ہے۔ عوامی نمائندے ہوں یا ملک کے کارپردازان اور پیشوایانِ ملت، کردار کے اعتبار سے اس سطح تک اُتر چکے ہیں کہ اس کا تصور بھی ہمارے ہاں نہیں ملتا۔ کس کس سطح پر برائیاں ہو رہی ہیں، کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں، روزانہ ایسی ایسی خبریں اخبارات کی زینت بن رہی

ہیں اور اُن حقائق وعنوانات پر کالم لکھے جا رہے ہیں کہ پڑھ کر انسانیت شرما جائے۔ ان الزامات کی سچائی یا خلافِ حقیقت ہونے کا ظاہری فیصلہ تو ایوانِ عدل کے پاک کردار جانشین کریں گے، حقیقی سچائی اس دن کھل جائے گی جس دن کہ تمام پوشیدہ بھید کھول دیے جائیں گے، لیکن یہ حقیقت نصف النہار کے سورج کی طرح آشکارا ہوچکی ہے کہ ہم قومی سطح پر انتہائی گراوٹ کا شکار ہو چکے ہیں۔

قوموں کے عروج میں اُن اَخلاق وعالی صفات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے جن کی راہ نمائی دینِ اِسلام کرتا ہے۔ جو قوم اخلاق اور عالی صفات سے عاری ہو، وہ عروج تو کجا زندگی کے بنیادی حقوق سے بھی محروم کر دی جاتی ہے۔ عالی ہمتی، صبر واستقامت، مقصد سے لگن اور جہدِ مسلسل، بے مقصد کاموں اور چیزوں سے اجتناب، وسعتِ ظرفی اور عفو ودرگزر جیسے اوصاف سے محروم قومیں تاریخ میں ہمیشہ مفتوح ومغلوب رہتی ہیں۔ انصاف اور انسانیت کا خون کرنے والے بھی بھلا دنیا کی امامت کے مستحق ٹھہر سکتے ہیں؟! قصہ کوتاہ! ہم مجموع من حیث المجموع جن اخلاقی بیماریوں کا شکار ہیں ان کی نشان دہی اور علاج' مستقل موضوع ہے، ان شاء اللہ العزیز! کسی وقت اس حوالے سے بھی معروضات پیش کرنے کی کوشش کریں گے، اس وقت یہ تنبیہ مقصود ہے کہ اگر ہم ماہِ مقدس کے قیمتی لمحات سے صحیح معنی میں مستفید ہونا چاہتے ہیں تو حقیقت کو قبول کرکے بارگاہِ حق میں اپنی انفرادی واجتماعی کوتاہیوں کا اعتراف کریں اور سچی توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ اگر ہم بحیثیت قوم دنیا میں عروج کے خواہاں ہیں تو انفرادی واجتماعی سطح پر ہمیں عالی اَخلاق کا پیکر بننا ہوگا، اور کریمانہ صفات اختیار کرنا ہوں گی۔ اس وقت اُمتِ مسلمہ کی پستی کا بنیادی سبب ''اَخلاقی بحران'' ہے۔ مسلمانوں کی دنیاوی ترقی بھی سید الرسل، خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی میں رکھ دی گئی ہے۔

مادہ پرست انسان کو عموماً دھوکا لگ جاتا ہے کہ دنیاوی ترقی اگر دین پر عمل کرنے میں منحصر ہوتی تو غیر مسلم اقوام ترقی نہ کرتیں، جو سرے سے اسلام ہی کی منکر ہیں، پھر معاشی نظام ہو یا خانگی وحکومتی نظم، وہاں اسلامی احکام کی پیروی کا سوال ہی نہیں ہوتا، لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ دنیاوی عروج کے حوالے سے مسلمان اور غیر مسلم سے تعامل کی نوعیت مختلف طے کی گئی ہے۔ شاعرِ مشرق نے اسی مضمون کو یوں بیان کیا ہے:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

گویا مسلم اور غیر مسلم سے دو جداگانہ معاہدے ہیں، جن میں ایک کا دوسرے سے تعلق نہیں ہے۔ غیر مسلم سے معاہدہ یہ ہے کہ اُسے جو کچھ دیا جائے گا وہ اسی دنیا فانی میں دیا جائے گا، بشرطیکہ وہ فطرت کے

بنیادی اُصولوں سے انحراف نہ کرے۔ جہاں تک آخرت کی بات ہے تو اس کے لیے ہر نعمت کے دروازے بند ہوں گے، وہاں اُسے ابدی عذاب کا سامنا کرنا ہوگا؛ لہٰذا غیر مسلم کو اس کی محنت اور ظاہراً اچھے اَعمال کا پورا پورا صلہ دنیا میں دیا جا رہا ہے، جب کہ مسلمان نے اپنی جان و مال کا سودا جنت کی اُن نعمتوں کے بدلے کیا ہے جن میں سے ادنیٰ نعمت کا ایک ذرہ بھی دنیا و مافیہا سے قیمتی ہے، اور اس نے کلمۂ شہادت پڑھ کر عہد کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اَحکام سے قطعاً سرتابی نہیں کرے گا۔ اب مسلمان کے لیے اپنے عہد سے پیچھے ہٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اگر عہد کو توڑتا ہے تو دنیاوی و اُخروی ذلت اس کا مقدر ہوگی۔ اگر وہ نام تو اسلام اور آسمانی ہدایت کا لے، لیکن اندرون و بیرون اس میں کہیں خدا کی منتخب کردہ قوم کی علامات نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی نصرت کیوں کر آئے؟ اسے ایک دوسری مثال سے بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ میدانِ جنگ میں جا کر دشمن سے لڑنا ہر ایک پر لازم نہیں ہے، لیکن جو شخص اسلامی فوج میں بھرتی ہو اور میدانِ جنگ میں دشمن کو پیٹھ دے کر پسپا ہو جائے تو یہ جرم دنیا اور شریعت دونوں کے قانون میں ناقابلِ معافی جرم بن جاتا ہے، اس لیے کہ اِس وقت اس کا فرار ایک فرد کی شکست نہیں، پوری قوم اور ملت کی شکست سمجھی جاتی ہے، اسی طرح انسان دعوے دار تو خدا کی محبوبیت اور نمائندگی کا ہو، لیکن کردار ایسا ہو کہ بقول شاعر:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

پھر یہ عہد کوئی اس اُمت کی خصوصیت نہیں ہے، بنی اسرائیل سے بھی یہی عہد لیا گیا کہ جب تک وہ ایمان اور شریعت کے اَحکام کے پابند رہیں گے، انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اَجر و ثواب کے ساتھ دنیاوی عروج بھی حاصل رہے گا، اور جب وہ اس وعدے سے منحرف ہوں گے انہیں نہ صرف دنیاوی ترقی سے محروم کر دیا جائے گا، بلکہ کفار جو کسی شریعت کو نہیں مانتے اللہ تبارک و تعالیٰ خود انہیں ان پر مسلط کر دے گا، وہ ان کے گھروں میں گھس کر ان کے چہرے تک بگاڑ دیں گے اور سب کچھ برباد کر دیں گے۔ سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں اس عہد کی خلاف ورزی پر ان کی تاریخی ذلت و شکست کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''عجب نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے اور اگر وہی پھر (شرارت) کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے۔'' (بنی اسرائیل:۸)

سورۂ مائدہ میں یہود و نصاریٰ سے کیے گئے اس عہد اور ان کی طرف سے اس کی مخالفت، اور تورات و انجیل کی صورت میں شریعت کے روشن احکام ملنے اور یہود و نصاریٰ کی طرف سے حیلے بہانوں کے ذریعے ان احکام سے راہِ فرار کی مذموم کوششوں کے نتیجے میں ان پر جو ذلت و مسکنت مسلط کی گئی، اس کا

بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’اور اگر یہ اہلِ کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کی تمام برائیاں معاف کردیتے اور ضرور اُن کو چین کے باغوں میں داخل کرتے، اور اگر یہ لوگ تورات کی اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی ہے، اس کی پوری پابندی کرتے تو یہ لوگ اوپر سے اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے۔‘‘ (المائدۃ:۶۵،۶۶)

سورۂ اعراف میں تباہ شدہ اَقوام کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ اِرشاد فرماتے ہیں:

’’اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے، لیکن انہوں نے (پیغمبروں کی) تکذیب کی تو ہم نے (بھی) ان کو ان کے اعمالِ (بد) کی وجہ سے پکڑ لیا۔‘‘ (الاعراف:۹۶)

اَزل سے یہ اُصول پتھر پر لکیر کی طرح ثبت ہے کہ جو آسمانی ہدایت کا حوالہ دے اور اللہ کی رضا اور جنت کا خواہش مند ہو، اس کا دنیاوی عروج بھی اس عہد کی پاس داری کے ساتھ مشروط ہے، سورۂ انبیاء میں ہے:

’’اور ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں نصیحت کے پیچھے کہ آخر زمین پر مالک ہوں گے میرے نیک بندے۔‘‘ (الانبیاء:۱۰۵)

سورۂ اعراف میں ہے:

’’یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے جس کو چاہیں مالک (وحاکم) بنادیں اپنے بندوں میں سے، اور اخیر کامیابی ان ہی کی ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔‘‘ (الاعراف:۱۲۸)

سورۂ غافر میں ہے:

’’ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگانی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس روز بھی جس میں گواہی دینے والے (یعنی فرشتے جو کہ اعمال نامے لکھتے ہیں) کھڑے ہوں گے۔‘‘ (غافر:۵۱)

یہی عہد و میثاق اُمتِ محمدیہ سے لیا گیا، سورۂ نور میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

’’(اے مجموعۂ اُمت!) تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کو (اس اتباع کی برکت سے) زمین میں حکومت عطا فرمائے گا، جیسا ان سے پہلے (اہلِ ہدایت) لوگوں کو حکومت دی تھی، اور جس دین کو (اللہ تعالیٰ نے) ان کے لیے پسند کیا ہے

(یعنی اسلام)، اس کو ان کے (نفعِ آخرت کے) لیے قوت دے گا اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدل بہ امن کر دے گا، بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں (اور) میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں، اور جو شخص بعد (ظہور) اس (وعدے) کے ناشکری کرے گا، تو یہ لوگ بے حکم ہیں۔'' (النور:۵۵)

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو قوم شریعتِ الٰہیہ کی نام لیوا اور اللہ تعالیٰ کے محبوب ہونے کی دعویدار ہو، وہ حیلے بہانے یا مکروفریب یا غلط راستے سے عروج پالے!! جو قوم خدا سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھ کر خدائی احکام سے بغاوت کرے اسے عروج کبھی نہیں مل سکتا۔ یہ اَٹل حقیقت ہے جس کی نظائر تاریخِ عالم کے صحیفے پر جا بجا ملتی ہیں، لہٰذا اُمتِ مسلمہ اگر اِصلاحِ اَحوال اور عروج چاہتی ہے تو اسے اسی شاہراہ پر چلنا ہوگا جس پر اس کے اسلاف چلے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں ملکِ شام تشریف لے گئے تو لوگوں نے رومی تہذیب وتمدن اور ٹھاٹھ باٹھ کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فاخرہ لباس اور وضع اختیار کرنے کا مشورہ دیا، اس موقع پر آپ رضی اللہ عنہ نے تاریخی الفاظ فرمائے تھے:

''بے شک تم لوگوں میں سب سے زیادہ گرے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے تمہیں عزت دی، (یاد رکھو!) جب بھی تم اس کے علاوہ کسی سے عزت چاہو گے اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل کر دے گا۔''

اور بعض روایات میں الفاظ یوں ہیں:

''تم لوگوں میں سب سے قلیل اور سب سے ذلیل تھے، اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کے ذریعے تمہاری تعداد بڑھادی اور تمہیں عزت دی، اب جب بھی تم دینِ اسلام کے علاوہ کسی طریقے سے عزت کے طلب گار ہوگے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل کر دیں گے۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے:

''اس اُمت کے آخری لوگوں کی (ذات اور اَحوال کی) اِصلاح بھی اسی طریقے میں منحصر ہے جس میں اِس اُمت کے پہلے لوگوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کی اصلاح ہوئی۔''

آج ہم بنی اسرائیل کے نقشِ قدم پر چل پڑے ہیں، نتیجہ ذلت ومسکنت کی صورت میں ہمارے سامنے ہے، کردار کی جس پستی تک ہم پہنچ چکے ہیں، جن معاشرتی اور اخلاقی امراض کا شکار ہیں کسی قوم اور مذہب میں ان کی گنجائش نہیں ہے، چہ جائے کہ اسلام جیسا کامل اور پاکیزہ مذہب! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک اِرشاد ہے:

''تم لوگ ضرور بالضرور اپنے سے پہلی امتوں کی ایسی اتباع کروگے جیسے بالشت بالشت کے

برابر اور گز دوسرے گز کے برابر ہوتا ہے، یہاں تک کہ اگر وہ لوگ کسی گوہ کے بل میں داخل ہوئے تو تم بھی اس میں داخل ہوگے، ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! (پچھلی امتوں سے مراد) کیا یہود و نصاریٰ (ہیں)؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اَور کون؟!'' (بخاری و مسلم)

جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب مالِ غنیمت کو ذاتی حق سمجھا جانے لگے (یعنی اَصحابِ مناصب اس پر قابض ہوجائیں اور ضرورت مندوں پر خرچ نہ کریں)، اور امانت کو غنیمت سمجھا جانے لگے (یعنی امانت میں خیانت عام ہوجائے جیسے غنیمت لوٹی جاتی ہے)، اور زکات کو بوجھ سمجھا جانے لگے، اور (دین کا علم) دین کے علاوہ مقاصد (جاہ و شہرت وغیرہ) کے لیے حاصل کیا جانے لگے، اور مرد اپنی بیوی کی اطاعت کرے اور ماں کی نافرمانی کرے، اور دوست کو قریب کرے اور باپ کو دور کرے، اور مساجد میں آوازیں بلند ہوں، اور قبیلے کا سردار فاسق شخص ہو، اور قوم کا لیڈر اُن میں سب سے ذلیل شخص ہو، اور آدمی کی عزت اس کے شر کے خوف سے کی جائے، اور گانے والیاں اور آلاتِ موسیقی عام ہوجائیں، اور شرابیں پی جانے لگیں، اور امت کا آخری طبقہ پہلوں پر لعن طعن کرے تو اس وقت سُرخ آندھی اور زلزلے اور زمین میں دھنسائے جانے اور شکلوں کے بگڑنے اور پتھروں کی بارش اور دیگر پے در پے بڑی نشانیوں کے ظہور کا انتظار کرنا، جیسے کہ کوئی ہار ہو، جس کا دھاگا توڑ دیا جائے تو اس کے دانے لگاتار گرتے ہیں۔''

مذکورہ حدیث مبارک پڑھیے اور موجودہ حالات پر ایک نظر ڈالیے، تطبیق سمجھانے کی یا تشریح کی چنداں حاجت نہیں ہے۔ امام احمد، ابن حبان، طبرانی اور حاکم رحمہم اللہ نے ایک حدیث روایت کی ہے، الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ اس کا مفہوم یہ ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: میری اُمّت کے آخر میں ایسے لوگ ہوں گے جو کجاووں جیسی زِینوں پر سوار ہوکر مسجدوں کے دروازوں پر اُتریں گے، اُن کی عورتیں لباس پہننے کے باوجود بے لباس ہوں گی، اُن کے سروں پر بال اس طرح بندھے ہوں گے جیسے لمبی گردن والے دبلے اونٹوں کے کوہان، اُن پر لعنت بھیجنا کہ وہ ملعون ہوں گی، اگر تمہارے بعد کسی اُمّت نے آنا ہوتا تو تمہاری عورتیں ان کی عورتوں کی خدمت (غلامی) کرتیں، جیسے تم سے پچھلی اُمّتوں (اہلِ کتاب) کی عورتیں تمہاری خدمت کرتی ہیں۔''

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اس اُمت کا ایک طبقہ اپنی بداعمالی کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی نگاہ میں

ایسا بے وقعت ہوجائے گا کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی اُمت کے بعد کسی اُمت کا آنا مقدر ہوتا تو انہیں غلام بنایا جاتا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے!

طبیبِ اعظم ﷺ نے ہماری فلاح اور عروج کا جو نسخۂ اکسیر ہمیں بتایا ہے جب تک حیلے بہانوں کے ذریعے اس سے پہلوتہی کرتے رہیں گے اور غیر فطری، جدید طُرقِ علاج تجویز کرتے رہیں گے، مرض بڑھتا ہی جائے گا، اور خاکم بدہن اس سے زیادہ ذلت وخواری کے دلدل میں جاپھنسیں گے۔ ان معروضات کا مقصد مایوسی کی فضا پیدا کرنا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے تو کافر ہی مایوس ہوسکتے ہیں، بلکہ درد کی جگہ اور غم کی کیفیت ہے، دل برداشتہ یہ سطور سپردِ قرطاس کردی گئی ہیں کہ کسی طرح خوابیدہ قوم کو جگایا جائے، ملک کی مقتدر قوتوں اور اَربابِ اِقتدار کے سامنے بھی دست بستہ مخلصانہ نصیحت ہے، اس کے علاوہ کوئی غرض نہیں، خدارا اپنی اَصل کی طرف لوٹ آیئے! خالقِ فطرت کے آفاقی اُصولوں سے انحراف نہ کیجیے، تباہ حال اقوام سے عبرت لیجیے، یہ پکار گو نقار خانے میں طوطی کی آواز سہی، لیکن رحمتِ حق سے اُمید ہے کہ وہ اسے بارآور کرے گا، صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اِسلام ابتدا میں بھی اجنبی اور اوپرا تھا، عنقریب یہ پھر اجنبیت کی حالت کی طرف لوٹ جائے گا جیسا کہ ابتدا میں تھا، سو خوش خبری ہے ان لوگوں کے لیے جنہیں اوپرا سمجھا جائے گا۔''

بعض محدثین نے اس روایت میں ان الفاظ کا بھی اضافہ کیا ہے:

''پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اجنبی سمجھے جانے والے لوگ کون ہوں گے؟ فرمایا: جو لوگوں کے فساد (بگاڑ) کے وقت اِصلاح (کی کوشش) کریں گے۔''

ایک اور روایت میں ہے:

''لوگوں نے میری سنتوں میں جو بگاڑ پیدا کیا ہوگا، اُس کی اِصلاح کریں گے۔''

آیئے! اس مبارک مہینے میں اپنے اس مہربان خالق کی طرف رجوع کیجیے، جو ہمیں دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں نوازنا چاہتا ہے، انفرادی اور اجتماعی وقومی سطح پر اس کے سامنے اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کا اعتراف کیجیے، آیئے! اس ماہ میں نازل کردہ کتاب قرآنِ مجید فرقانِ مبین کو دل کی گہرائی سے قبول کرکے پڑھیے، اس کی روشنی میں حق وباطل کے درمیان فیصلہ کیجیے، اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ کر آگے بڑھیے، جس نے ہمیں پیدا کیا اور سب کچھ عطا کیا، اُسی کی توفیق اور مدد سے ہمارے اَحوال کی اِصلاح ہوسکتی ہے۔ آیئے! اس ماہ میں رسول اللہ ﷺ کی سنت اور اُسوۂ حسنہ کی طرف، آپ ﷺ کی ساری زندگی ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت وبندگی سے عبارت ہے، لیکن رمضان المبارک میں آپ ﷺ کی کیفیت ہی تبدیل ہوجایا کرتی

تھی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے، لیکن رمضان المبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا تھا، جب جبریل امین علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے آتے تھے، وہ ہر رات آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآنِ مجید کا دور کیا کرتے تھے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت بارش بھرے بادل لانے والی ہوا سے بھی بڑھ جایا کرتی تھی۔‘‘ (بخاری)

آپ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے:

’’رمضان المبارک داخل ہوتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر قیدی کو آزاد فرمادیتے تھے اور ہر سائل کو عطا کرتے تھے۔‘‘ (مشکاۃ، کتاب الصوم، ص:۱۷۴، طبع: قدیمی)

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ:

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرے میں عبادت میں اتنی محنت فرماتے تھے جتنی اس کے علاوہ نہیں فرماتے تھے۔‘‘ (صحیح مسلم)

آپ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے:

’’رمضان المبارک کا آخری عشرہ داخل ہوتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا اِزار باندھ لیتے (کمر کس لیتے تھے)، خود بھی راتوں کو جاگتے تھے اور اپنے گھر والوں (اَزواج) کو بھی جگاتے تھے۔‘‘

(بخاری ومسلم)

گناہوں اور کوتاہیوں سے رجوع کے ساتھ ساتھ معاشی اَحوال کی اِصلاح کے لیے بھی شریعت کی ہدایات کو تھام لیجیے! قناعت، کفایت شعاری اور میانہ روی دین کی بنیادی تعلیمات ہیں، جن کے بغیر معیشت کبھی استوار نہیں ہوسکتی، اور موجودہ اَخلاقی بحران سے بچنے کے لیے پہلا قدم اپنی زبان اور قلم کو قابو کرنے کا اُٹھایئے! طے کرلیجیے کہ آپ نے کسی فرد پر تبصرہ نہیں کرنا، صبر اور عفو ودرگزر کو وطیرہ بنالیجیے کہ قرآنِ مجید میں صبر وتقویٰ کو فتح وغلبہ اور دشمن کی سازشوں سے حفاظت کا تیر بہدف نسخہ قرار دیا گیا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ وہ دن دور نہیں کہ رحمٰن ورحیم پروردگار کی رحمت ہماری طرف متوجہ ہو اور گم گشتہ عروج پھر سے مقدر ہو۔

اللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ نَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنَا إِلٰى اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَيْنٍ، وَ اَصْلِحْ لَنَا شَأْنَنَا كُلَّهٗ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنَّا كُنَّا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ، آمين بحرمة النبي الكريم .

وصلى الله تعالٰى علٰى خير خلقهٖ سيدنا محمد و علٰى آلهٖ و صحبهٖ أجمعين

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

مکاتیب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مکاتیب بنام حضرت تھانویؒ اور اُن کا جواب

انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مکتوب حضرت بنوری رحمہ اللہ بنام حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هو الله

لكلِّ زمانٍ واحدٌ يُقتدٰى به
هٰذا زمانٌ أنت لا شك واحده ❶

سيدي ومولائي، صاحب المآثر العظيمة، أدام الله مآثركم العالية في رُقيّ ونماء!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!(۱)

حق تعالیٰ شانہ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ حضرت والا خیر وعافیت سے ہوں گے۔(۲)
اور حاضرین کو سیراب فرماتے ہوں گے۔(۳)

آرزو تھی کہ ایامِ تعطیل میں سے چند یوم آپ کی صحبت میں گزارنے کی توفیق مل جائے تو میری خوش نصیبی ہوگی، مگر افسوس کہ مختلف قسم کے موانع سے بظاہر اس سعادت سے محروم نظر آرہا ہوں۔(۴)

آپ کی خدمتِ بابرکت میں عریضہ لکھا تھا اور آپ نے جواب سے سرفراز فرمایا تھا۔ خدائے تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ کی دعا کی برکت سے پریشانی سے نجات مل گئی، گو اسبابِ پریشانی موجود ہیں۔ اس وقت عریضہ لکھنے سے صرف اتنا مقصد ہے کہ ان ایامِ مبارکہ اور لیالیِ قدر میں میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ علمِ صحیح اور معرفتِ صحیحہ اور اتباعِ سنت کی توفیق عطا فرمائے، اس کے سوا کوئی مقصد نہیں ہے، اس کے لیے کوئی جواب کی

❶ ترجمہ: ہر زمانے میں ایک قابلِ اقتدا شخصیت ہوا کرتی ہے اور بلاشبہ یہ آپ کا ہی دور ہے۔

ضرورت نہیں۔ (۵)

کیونکہ مجھے مکارمِ عالیہ سے قوی امید ہے کہ میری اس درخواست کو قبول فرمالیں گے؛ کریم، سائل محروم دونوں کو نوازتے ہیں، لیکن جواب کے لیے لفافہ صرف اس لیے رکھتا ہوں، شاید چند حرف سے نوازیں اور نصفُ الملاقات کی کیفیت سے بہرہ اندوز ہوجاؤں۔ أرجو اللہَ سبحانهٗ أن يطيل بقاءكم في عافية لنشر العلم والدين، وأن يديم آثارَكم الباقيةَ في عزة و بهاء .

وفي الختام أقبّل يديكم الكريمتين(۶) راجيًا دعواتكم المباركة. (۷)

توجہات کا محتاج

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ وعافاہ

یومِ شنبہ ۲۴ رمضان المبارک سنہ ۱۳۵۹ھ

پس نوشت: شہرِ پشاور میں اور مختلف نواحی میں پہلا روزہ یومِ پنج شنبہ سے ہے، اطراف میں رؤیت ہوئی ہے، اور شہر میں شہادت گزری ہے، اس کے بعد رؤیتِ ہلال شبِ پنج شنبہ، یومِ چہار شنبہ کی خبریں صوبہ سرحد میں تواتُر کو پہنچ گئی ہیں، اطلاعًا عرض ہے۔

جوابِ حضرت تھانوی رحمہ اللہ

(۱) وعلیکم السلام

(۲) ہاں، الحمد للہ

(۳) توبہ! والأمر للہ!

(۴) خدا نہ کرے، ''مرحوم'' اپنے کو ''محروم'' کیوں سمجھیں؟!

(۵) کیا غیر ضروری کام نہیں کیا جاتا جب اس (سے) مسلمان بھائی کو مسرت ہو؟! سو دعا گو ہوں۔

(۶) إذا أذنتُ. (میں اجازت دوں تب!)

(۷) يقع الرجاء بلا تقبيل (دست بوسی کے بغیر بھی اُمید کی جاسکتی ہے)۔

هو الله

صاحب المآثر والمعالي، سيدي ومولائي، أطال الله بقاءكم في مجد وعافية وافية!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! (۱)

اواخرِ شوال میں اپنے کام پر جامعہ ڈابھیل پہنچ گیا، بہت مشتاق تھا کہ بوقتِ مراجعت زیارتِ

بابرکات اور دیدارِ پُرانوار سے فیض یاب ہوتا، مگر تاخیر مجھے بہت ہوگئی تھی اور مہتمم صاحب پہنچنے کے شدید منتظر تھے، اس لیے سعادت سے محظوظ نہ ہوسکا۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ کی زیارت کی دل میں کتنی محبت ہے! اور خدمت میں رہنے کا کتنا شوق ہے! لیکن نہ معلوم کہ اس سے سرفرازی کب ہوگی؟! اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمارے حالات کو بہتر فرمائے۔ (۲)

عریضہ لکھنے سے مقصد صرف اُمیدِ دعا ہے۔ میں اس وقت جامعہ میں چار گھنٹہ مدرسہ کا کام کرتا ہوں، جس میں قابلِ ذکر ''درسِ سننِ ابوداود شریف'' ہے، عنقریب دو گھنٹہ یومیہ ''مجلسِ علمی'' کا کام تالیف کا سلسلہ شروع کروں گا، سالِ گزشتہ بھی کرتا تھا۔ ''العَرف الشذي'' دوبارہ اس طرز پر مرتب کرنا ہے کہ ہر ہر حرف اور ہر ہر حوالہ اپنے اصلی مآخذ میں دیکھ کر عمدہ ترتیب سے اور مہم زیادات کے ساتھ مرتب کیا جائے، جو ایک اعلیٰ اور مستقل شرح سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔ ''کتاب الطهارة'' قریبُ الاختتام ہے۔ صحت میری ان اطراف میں زیادہ اچھی نہیں رہتی، اس لیے آپ اپنے خاص اوقات میں دعواتِ مبارکہ سے سرفراز فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ علمِ صحیح اور معرفتِ صحیحہ اور فہمِ صحیح عطا فرمائے، اور ان سب کو اپنی رضا کا سبب بنائے۔ (۳)

وعلى الله أجركم ومثوبتكم أضعافًا مضاعفةً.

دل بہت کچھ لکھنے کو چاہتا ہے، خوفِ تکلیف سے اختصار کرتا ہوں۔ (۴) فالسلام ختام!

دعوات کا محتاج، زیارت کا مشتاق

محمد یوسف البنوری عفا اللہ عنہ وعافاہ

یومِ جمعہ ۲۰/ ذی قعدہ سنہ ۱۳۵۹ھ

از ڈابھیل (سورت)

جواب حضرت تھانوی رحمہ اللہ

(۱) وعلیکم السلام

(۲) الخيرُ في ما وقع، وهو الخير.

(۳) دل سے دعا کرتا ہوں۔

(۴) ما قلّ ودلّ تو خاص درجہ میں محبوب

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بکثرت روایات کے اسباب

اور بعض شبہات کا اِزالہ (پہلی قسط)

مولانا طلحہ بلال احمد منیار
ترجمہ: مولانا محمد یاسر عبداللہ، استاذِ جامعہ

تمہید

ذخیرۂ حدیث پر مستشرقین اور ان کے علمی پیروؤں کی جانب سے مختلف جہتوں سے قدغن لگائے جاتے ہیں اور اسے مشکوک قرار دینے کی سعیِ نامراد کی جاتی ہے، یوں بزعمِ خویش دینِ حق کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی تدبیریں بروئے کار لائی جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں دو شخصیات، ناقدین کے تیروں کا خاص نشانہ رہتی ہیں: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور طبقۂ تابعین میں امام محمد بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اول الذکر دستیاب ذخیرے کے مطابق سب سے زیادہ احادیث کے راوی ہیں اور ثانی الذکر قرونِ اولیٰ کے دوران تدوینِ حدیث کے کارنامے میں بنیادی کردار کے حامل ہیں۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے ساتویں برس اسلام میں داخلے کے بعد دیگر قدیم الاسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بنسبت دربارِ نبوت میں حاضری کا زمانہ کم پایا ہے، پھر مرویات کی تعداد کے اعتبار سے وہ مکثرین صحابہؓ میں بھی پہلے درجے پر کیوں کر فائز ہوگئے؟! اس نوع کے بے سروپا اور پھسپھسے دلائل کی بنیاد پر ان کی شخصیت وکردار اور احادیث ومرویات کے متعلق وضع کے اتہام سمیت گوناگوں شبہات پھیلائے جاتے ہیں۔ یہ نادان طبقہ، زمانۂ صحبت کے کم ہونے کے باوجود الفاظِ نبوت کے تئیں ان کی محنت وجفاکشی سے نابلد اور دعائے نبوی کی بدولت ان کی قوتِ حافظہ کی وسعت سے ناواقف ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لیے کتبِ سیر وتراجم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ کی مراجعت کی جاسکتی ہے۔ ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر دو شہادتیں ملاحظہ ہوں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے جنازے پر دعائے رحمت کرتے ہوئے فرمایا: ''وہ مسلمانوں کے لیے احادیثِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت فرماتے تھے۔'' جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں روایتِ حدیث کے سب سے بڑے حافظ تھے۔'' (تدریب الراوی

للسيوطي، بتحقيق الشيخ محمد عوامة، النوع التاسع والثلاثون: معرفة الصحابة رضي الله عنهم، ٥/ ١٨٩، دار المنهاج، جدة، الطبعة الاولى، ١٤٣٧ھ / ٢٠١٦م) سرزمینِ شام کے بلند پایہ محدث ومحقق عالم شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب ''تدريب الراوي'' کی تعلیقات میں رقم طراز ہیں:

''ہر صحابیؓ کی روایات کی تعداد کے متعلق علماء جو اعداد وشمار ذکر کرتے ہیں، وہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے جزء ''أسماء الصحابة الرواة وما لكل واحد من العدد'' کے اعتماد پر ہیں، یہ جزء پہلے پہل (ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب) ''جوامع السيرة'' کے ساتھ شائع ہوا تھا، پھر ایک ضخیم جلد میں مستقل طور پر طبع ہوا ہے۔ اسی طرح کے اعداد وشمار ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تلقيح فهوم أهل الأثر'' میں درج کیے ہیں۔

اس موقع پر اس نکتے سے آگاہی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات کی تعداد کے متعلق اس بڑے عدد (۵۳۷۴) میں ان سے مروی تمام مکرر روایات، اور (سنداً) صحیح وضعیف احادیث سبھی داخل ہیں، اور (ان تمام روایات کی) چھان پھٹک کے بعد اس عدد کا ایک چوتھائی باقی رہ جاتا ہے۔ مزید براں ان بقیہ احادیث پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہوگی کہ کن روایات میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متفرد ہیں؟ تب (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی منفرد روایات کی) تعداد بہت کم بلکہ انتہائی نادر درجہ میں باقی رہے گی، اور ان کے تعلق سے کینہ وروں کے اشکالات ہواؤں میں اُڑ جائیں گے۔ نیز دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی احادیث کی تعداد کے متعلق بھی یہی کہا جائے گا کہ ان میں مکررات، اور صحیح وضعیف تمام روایات شامل ہیں، اور ایسی روایات بھی داخل ہیں جن میں وہ صحابی متفرد نہیں۔ (ایضاً، ۵/ ۱۸۸۸، ۱۸۸۹)

بہرکیف! یہ ایک وسیع موضوع ہے، جس کی مختلف جہتوں پر اہلِ علم کی مستقل کاوشیں ہیں، خاص طور پر عالمِ عربی کے نام وَر عالم شیخ مصطفیٰ حسنی سباعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''السنة ومكانتُها في التشريع الإسلامي'' میں اس حوالہ سے خاصی تفصیل کے ساتھ مفید مواد یکجا ہوگیا ہے۔ شیخ کی کتاب کا اردو ترجمہ ''اسلام میں سنت وحدیث کا مقام'' کے نام سے مولانا ڈاکٹر احمد حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا، اور ہماری جامعہ کے شعبہ ''مکتبہ بینات'' نے کچھ عرصہ قبل اس کا دوسرا دیدہ زیب ایڈیشن دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔ اہلِ علم اور طلبۂ علومِ حدیث کو اس کتاب سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ بعض دیگر اہلِ علم نے جوابِ آں غزل کے طور پر مستشرقین کے جدید سائنسی طریقۂ تحقیق (Scientific Research) کے اصول اپناتے ہوئے ان کے مزعومہ دلائل کے تار و پود بکھیرے ہیں۔ پیشِ نگاہ مضمون میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت وخدمات کی ایک اہم جہت ''مروياتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ'' کے متعلق قدیم وجدید مواد کی روشنی میں تجزیہ وتلخیص پیش کی گئی ہے، اس مضمون میں یہ نکتہ واضح کیا گیا ہے کہ بلاشبہ دست یاب ذخیرے کے مطابق کثرتِ روایات' حضرت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا امتیاز ہے، لیکن ان میں سے بیشتر روایات میں دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ان کے شریک ہیں، متعدد اہلِ علم نے اپنی تحقیقات کے نتائج میں یہ واضح کیا ہے کہ محض حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی متفرد روایات کی تعداد نہایت کم ہے، لہٰذا کثرتِ مرویات کی بنا پر ان پر وضع کا الزام دھرنا' ذخیرۂ حدیث کو مشکوک ٹھہرانے کی مذموم کوشش ہے۔ اس ضمن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی کثرتِ روایت کے مختلف اسباب کی نشان دہی بھی کی گئی ہے، جنہیں پیشِ نظر رکھنے سے زیرِ بحث مسئلہ بے غبار ہو جاتا ہے۔ بہرکیف حدیثی نقطۂ نظر سے مضمون کی اہمیت کی بنا پر افادۂ عام کی غرض سے اسے ''ریختہ'' کے قالب میں ڈھال کر ہدیۂ قارئین کیا جارہا ہے۔'' (مترجم)

مرویاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم و مرویات کی شماریات کے مختلف انداز

محدثین نے عموماً تمام راویوں اور خاص طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی احادیث و مرویات کی تعداد شمار کرنے کا اہتمام کیا ہے، اور ان اعداد و شمار کے حوالے سے اُن کے متعدد انداز ہیں:

۱: بعض محدثین نے اپنی مرویات و محفوظات کو خود ہی ذکر کیا ہے، مثلاً: امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود اور امام احمد رحمہم اللہ جیسے ائمہ کبار سے لاکھوں احادیث یاد کرنے کے اقوال ملتے ہیں، اور پھر اُنہوں نے اُس وسیع ذخیرہ میں سے چند ہزار احادیث کا انتخاب کر کے اُنہیں اپنی مشہور کتبِ حدیث میں درج کیا ہے۔

۲: بعض حضرات، مشہور محدثین یا راویوں کی کسی متعین شیخ یا متعین سند سے مروی روایات کو ذکر کرتے ہیں، جنہیں وہ ''نُسخہ'' کا نام دیتے ہیں، کتبِ تاریخ ورجال میں اس نوعیت کے اشارات ملتے ہیں، یا کسی متعین کتاب یا کتابوں (مثلاً: کتبِ ستہ وغیرہ) میں راویوں کی مرویات ذکر کرتے ہیں، جیسے: ابن حوط اللہ اَندی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کتاب ''زَهْرَةُ المتعلِّمين في ذكرِ أسماءِ مشاهيرِ المحدِّثين'' میں بخاری، مسلم، ترمذی اور ابوداود رحمہم اللہ کے مشائخ کی مرویات شمار کی گئی ہیں۔ یہ کتاب اگرچہ مفقود ہے، لیکن امام مُغلطائی رحمۃ اللہ علیہ نے ''إكمالُ تهذيب الكمال'' میں اس سے کافی اعداد و شمار نقل کیے ہیں۔

۳: بعض محدثین نے خاص طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات شمار کرنے کا اہتمام کیا ہے، جیسے: امام ابوبکر احمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم بَرَقی مصری رحمۃ اللہ علیہ (۲۷۰ھ) تاریخِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق کتاب میں، اور محدّث بَقی بن مَخْلَد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جزء میں یہ کوشش کی ہے۔

مسندِ بَقی بن مَخْلَد اندلسی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات کی تعداد

کتبِ علومِ حدیث میں مشہور ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے سب سے

زیادہ احادیث روایت کی ہیں، اور اُن کی احادیث کی تعداد (۵۳۷۴) ہے۔ بعض علماء نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی یہ تعداد امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''تلقیحُ فُهومِ أهلِ الأثر في عيونِ التاريخِ والسِّيَر'' (ص: ۲۶۳-۲۸۰) کی جانب منسوب کی ہے، اور اُنہوں نے اس تعداد کے متعلق کتبِ حدیث میں سب سے بڑی مسند (''مسندُ بَقِي بن مَخْلَد الأندلسي'' (ت:۲۷۶ھ)، جو تا حال مفقود ہے) میں مذکور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات پر اعتماد کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ علامہ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تعداد از خود شمار نہیں کی، بلکہ انہوں نے مُکثّرین (بکثرت روایات نقل کرنے والے) صحابہؓ کی روایات کے تذکرہ میں امام بقی بن مخلد اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کے جزء ''عَددُ ما لكلِّ واحدٍ مِن الصَّحابة مِن الحديث'' پر اعتماد کیا ہے، جسے بعد ازاں امام ابنِ حزم اندلسی رحمۃ اللہ علیہ (ت:۴۵۶ھ) نے مرتب کیا اور اس کا نام ''أسماءُ الصَّحابةِ الرُّواة وما لكلِّ واحدٍ منَ العدد'' رکھا ہے۔

امام ابنِ حزم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جزءِ مرویاتِ صحابہؓ کی کثرت وقلت کی بنیاد پر ترتیبِ نزولی کے لحاظ سے مرتب کیا ہے، چنانچہ مُکثّرین سے ابتدا کی اور اصحابِ اَفراد (جن سے ایک ہی روایت مروی ہے) پر اختتام کیا ہے۔ ابنِ حزم رحمۃ اللہ علیہ کتاب کے مقدمہ میں اپنی ترتیب ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''ذكر من رَوَى عنِ النبيِّ -صلّى الله عليه وسلّم- من الصَّحابة حديثاً فما فوقه ، ممن نُقِلِ إلينا الحديثُ عنهم ، على مَرَاتبهم في ذلك : أصحابُ الألوف منهم، ثُمَّ أصحابُ ألفينِ، ثُمَّ أصحابُ الألف فما دون ذٰلك ، ثُمَّ أصحابُ المِئِينَ وشيءٍ، ثم أصحابُ المِئتينِ وشيءٍ، ثُمَّ أصحابُ المِئةِ وشيءٍ، ثُمَّ أصحابُ العشراتِ وشيءٍ، ثُمَّ أصحابُ العِشرينَ، ثُمَّ أصحابُ التسعة عشرَ، ثُمَّ أصحابُ الثَّمانية عشرَ، ثُمَّ أصحابُ السبعة عشرَ، ثُمَّ كذٰلك نقصُ واحدٍ واحدٍ، إلى أصحابِ الأفرادِ.''

''یہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ ہے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک یا ایک سے زائد روایات نقل کی ہیں، جو اُن سے ہم تک پہنچی ہیں۔ اس حوالے سے (درج ذیل ترتیب کے مطابق) اُن کے مراتب کا لحاظ کیا گیا ہے:

پہلے کئی ہزار روایات نقل کرنے والوں کا ذکر ہے، پھر دو ہزار کے لگ بھگ احادیث کے راوی صحابہؓ کا، پھر ایک ہزار یا اس سے کم مرویات والوں کا، پھر سینکڑوں روایات کے ناقلین کا، پھر دو سو کے لگ بھگ تعداد والوں کا، پھر جن کی احادیث کی تعداد دہائیوں میں ہے، پھر بیس کے آس

پاس کی تعداد والوں کا، پھر اُنیس عدد کے راویوں کا، پھر اٹھارہ، پھر سترہ، یوں ایک ایک عدد کم کرتے کرتے آخر میں محض ایک حدیث روایت کرنے والوں کا تذکرہ ہے۔‘‘

امام ابنِ حزم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کے مختلف طبعات

ابنِ حزم رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ کتاب ’’أسماء الصحابة الرواة‘‘ کئی بار شائع ہوئی ہے:

① اُن کی کتاب ’’جوامعُ السيرة‘‘ ودیگر رسائل کے مجموعہ میں شیخ احسان عباس کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی۔

② ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری رحمۃ اللہ علیہ نے ’’بقيُ بنُ مَخلد القُرطبي ومقدّمةُ مُسندِه‘‘ کے نام سے امام بقی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب نسبت کے ساتھ شائع کی ہے، جب کہ اس نسخہ میں موجود مواد ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا مرتب کردہ ہے۔

③ سید حسن کسروی کی تحقیق کے ساتھ دارُ الکتبِ العلميّة بیروت نے بھی یہ کتاب شائع کی ہے۔

④ مسعد عبدالحمید سعدنی کی تحقیق کے ساتھ مکتبةُ القرآن مصر نے بھی شائع کی ہے۔

⑤ کتاب کے تونسی نسخہ (جو مؤلف ابنِ حزم رحمۃ اللہ علیہ کی جانب اُن کے شاگرد حُمیدی کی سند سے منسوب نسخے سے نقل کیا گیا ہے، اُس نسخے) کے متعلق ڈاکٹر عبدالمجید ترکی نے ایک مقالہ شائع کیا ہے، اُس مقالے میں کافی اضافات اور مفید تصحیحات ہیں، جن سے سابقہ طبعات خالی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد (۵۳۷۴) کے متعلق چند تنبیہات

تنبیہِ اول

یہ تعداد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تمام احادیث کی ہے، اس میں اُن سے مروی صحیح احادیث، ضعیف روایات اور وہ مکرر روایات بھی داخل ہیں، جو اسی متن اور سند کے ساتھ یا کسی اور سند کے ساتھ اُن سے مروی ہیں۔

تنبیہِ دوم

یہ اعداد وشمار امام بقی بن مخلد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جزء ’’عَددُ ما لكلِّ واحدٍ منَ الصَّحابةِ منَ الحديث‘‘ میں ذکر کیے ہیں، جو ہماری جستجو کے مطابق اُن کی مسند میں درج مرویات کی بنیاد پر ہیں۔ ممکن ہے کہ یہی جزء ’’مسندُ بقي‘‘ کا مقدمہ ہو، جیسا کہ ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے۔

محدثین کی عادت ہے کہ وہ ایک حدیث کی متعدد سندوں کو بھی مستقل حدیث کے طور پر شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح آثارِ صحابہؓ وتابعینؒ اور اُن کے فتاویٰ کو بھی احادیث کے ضمن میں شمار کرتے ہیں۔ یوں یہ اعداد وشمار، مرفوع، موقوف اور مقطوع سبھی روایات پر مشتمل ہوتے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: ''اَحْفَظُ مِئَةَ اَلْفِ حَدِيْثٍ صَحِيْحٍ، وَمِئَتَيْ اَلْفِ حَدِيْثٍ غَيْرِ صَحِيْحٍ.'' یعنی مجھے ایک لاکھ صحیح احادیث اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں۔

حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے اس بیان کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''هٰذِهِ الْعِبَارَةُ قَدْ يَنْدَرِجُ تَحْتَهَا عِنْدَهُمْ آثَارُ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ، وَرُبَّمَا عُدَّ الْحَدِيْثُ الْوَاحِدُ الْمَرْوِيُّ بِإِسْنَادَيْنِ حَدِيْثَيْنِ.'' (معرفة أنواع علم الحديث، النوع الأول، فوائد مهمة، ص:۸۷، دار الكتب العلمية، بيروت، ۱۴۳۵ھ)

یعنی اس عبارت کے تحت محدثین کے نزدیک آثارِ صحابہؓ وتابعینؒ بھی درج ہیں، اور بسا اوقات دو سندوں سے مروی ایک ہی حدیث کو تعداد میں دو شمار کیا جاتا ہے۔

علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ ''النكت على ابن الصلاح'' میں رقم طراز ہیں:

''الأقدمونَ يُطلقونَ العددَ منَ الأحاديث على الحديثِ الواحدِ المرويِّ بعدةِ أسانيدَ، وعَلى هٰذا يَسهلُ الخَطْبُ ، فرُبَّ حديثٍ له مئةُ طريقٍ أو أكثرُ .''

یعنی ''متقدمین (محدثین) کئی سندوں سے مروی ایک حدیث کو تعداد کے اعتبار سے کئی احادیث شمار کرتے ہیں، یوں (کثیر تعداد کا) معاملہ آسان ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ بسا اوقات ایک حدیث کی سو یا زیادہ سندیں بھی ہوتی ہیں۔'' (النكت على مقدمة ابن الصلاح للزركشي، النوع الأول، تنبيه: ۱/ ۱۸۱، أضواء السلف، الرياض، ۱۴۱۹ھ)

''الوسيطُ في علوم ومُصطلح الحديث'' (ص:۲۲) میں لکھا ہے:

''قَد يقولُ قائلٌ: إنَّ ما ذكرتَه عَن الألوفِ المؤلَّفةِ التيْ كانَ يحفظُها الأئِمةُ الكبارُ وما نُقِل عنهم في هٰذا لا يصدِّقه المُدَوَّنُ في كتبِ الحديثِ على كَثرتِها، فإنَّ ما يُوجَد فيها منَ الأحاديثِ المرفوعةِ لا يبلغ عُشْر هٰذا المقدارِ.

والجوابُ: أنّهُ ليسَ المرادُ بِهٰذهِ الألوفِ أنَّها كُلُّها أحاديثُ متغايرةٌ، كَما هو الظَّاهرُ، وإنَّما يدخلُ في هٰذهِ الطُرقُ المتعدَّدةُ للحديثِ الواحدِ، فقدْ يُروى الحديثُ الواحدُ بعَشرةِ أسانيدَ، ومَا هِي في الحقيقةِ والواقع إلاّ طرقٌ لحديثٍ واحدٍ ، فَيتخيَّرُ أيُّ إمامٍ منها أصحَّها وأوثقَها في نظرِه ، و يَدَعُ ما عَدا ذٰلك ، وقدْ يكونُ فيما ذكرَهُ ما ليسَ صحيحاً عندَ غيرِه. وقدْ يكونُ فيما يتركُهُ مَا هُو

صحيحٌ في الواقع. وأيضاً يدخلُ في هٰذِه الألوفِ آثارُ الصَّحابةِ والتابعينَ وغيرِهم، وهٰذِه الآثارُ تُعتَبَرُ من الأحاديثِ عند كثيرٍ من المحدِّثين، ومَا أكثرُ ما رُوِي منَ الآثارِ! فكُنْ على ذُكْرٍ مِن ذٰلك حتّٰى لايلتبسُ عليك الأمرُ، وحتّٰى تدفعَ تشكيكاتِ المشكِّكِين في السُّننِ والأحاديثِ.''

''اشکال: کوئی معترض کہہ سکتا ہے کہ ائمہ کبار کے محفوظ کردہ ذخیرۂ حدیث کے متعلق جو ہزاروں احادیث کی تعداد آپ ذکر کرتے ہیں، کتبِ حدیث کی کثرت کے باوجود اُن میں مدوّن ذخیرہ سے تو اُن دعووں کی تائید نہیں ہوتی، کیوں کہ اُن کتابوں میں موجود مرفوع احادیث کی تعداد تو اُس مقدار کے دسویں حصے تک بھی نہیں پہنچتی؟

جواب: ان ہزاروں احادیث سے یہ مراد نہیں کہ ان تمام احادیث (کے متون) میں فرق ہے اور سب ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں، بلکہ ان میں ایک حدیث کی متعدد سندیں بھی داخل ہیں؛ کیوں کہ کبھی ایک حدیث دس سندوں سے مروی ہوتی ہے۔ درحقیقت یہ ایک حدیث کی سندیں ہوتی ہیں، اور ہر امامِ حدیث اپنی تحقیق کے مطابق اُن میں سے زیادہ صحیح اور معتمد سند منتخب کرتے ہیں، اور دیگر سندوں کو ترک کر دیتے ہیں، کبھی اُن کی ذکر کردہ سند دیگر محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی، اور درحقیقت اُن کی ترک کی ہوئی سندوں میں سے کوئی سند صحیح ہوتی ہے۔

نیز ان ہزاروں روایات میں آثارِ صحابہؓ وتابعینؒ وغیرہ بھی داخل ہوتے ہیں، اور یہ آثار بہت سے محدثین کے نزدیک احادیث میں شمار ہوتے ہیں، ایسے روایت کردہ آثار بھی بکثرت ہیں۔ یہ اہم نکتہ یاد رکھیے، تاکہ (کثرتِ تعداد کا) معاملہ آپ کے لیے اُلجھن کا باعث نہ بنے، اور آپ سنن واحادیث کے متعلق شکوک وشبہات پھیلانے والوں کے شبہات کے جوابات دے سکیں۔''

شیخ احمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ ''الباعثُ الحثِيث'' میں رقم طراز ہیں:

''ومِن المهمّ مَعرفةُ العَددِ الحقيقيِّ للأحاديثِ في ''مُسندِ أحمد'' بِحذفِ المكرَّر واعتبارِ كلِّ الطُرقِ للحديثِ حديثاً واحدا، ولم أتمكَّنْ مِن ذٰلك إلّا في مُسند أبي هُريرةَ، فَظهرَ لِيْ أنَّ عددَ أحاديثِهٖ في مُسند أحمد بعد حذف المُكرَّر منها هو ١٥٧٩ حَديثاً فقط.

فأينَ هٰذا منَ العددِ الضَّخمِ الذي ذكرَه ابنُ الجوزي وهو ٥٣٧٤؟! وهل فاتَ أحمدَ هٰذا كلُّه؟! ما أظنُّ ذٰلك.

وإنَّما الَّذيْ أرجّحُهُ أنَّ ابنَ الجوزي عَدَّ ما رَواه بَقيُّ بنُ مَخلد لأبي هُريرة مُطلقاً وأدخل فيه المكرَّر، فَتعددُ الحديثِ الواحدِ مِراراً بِتعدُّدِ طُرقِهٖ، وقَدْ

يكونُ بقيٌّ أيضاً يروي الحديثَ الواحدَ مقطَّعاً أجزاءً باعتبارِ الأبوابِ والمعانيْ كما يفعلُ البُخاريُّ، و يُؤَيِّدُهُ أنَّ ابنَ حزْمٍ يصِفُه بأنَّهُ رتَّبَ أحاديثَ كلِّ صَحابيٍّ عَلٰى اَبوابِ الفِقه .

وأيضاً فإنَّ في "مُسندِ أحمد" أحاديثَ كثيرةً يَذكرُها استِطراداً في غيرِ مُسندِ الصَّحابيِّ الذيْ رَواها، وبعضُها يكون مَروياً عن اثنينِ أو أكثرَ منَ الصَّحابةِ، فَتارةً يذكرُ الحديثَ في مُسندِ كلِّ واحدٍ مِنهما، وتارةً يذكرُه في مُسندِ أحدِهما دُونَ الآخرِ. وقَدْ وجدتُ فيه أحاديثَ لبعضِ الصَّحابة ذكرَها أثناءَ مُسندٍ لِغيرِ راوِيْها ولم يَذكرْها في مُسندِ راوِيها اَصلاً.

ولٰكنْ هٰذا كلُّه لا يَنتجُ منه هٰذا الفرقُ الكبيرُ بينَ العددينِ في مثلِ مُسندِ أبي هُريرةؓ. ولعلَّنا نُوَفَّق لتحقيقِ عددِ الأحاديثِ التيْ رَواها عنْ كلِّ صَحابيٍّ، كَما صَنعنَا في روايةِ أبي هُريرةؓ إنْ شاءَ اللّٰهُ. وقد جمعتُ عددَ الأحاديثِ التي نسبَها ابنُ الجوزيِّ للصَّحابةِ في مُسند بَقيٍّ، فكانتْ ٣١٠٦٤ حديثاً، وهٰذا يقِلُّ عن مُسندِ أحمد أو يُقاربُه."

"ایک اہم نکتہ، تکرار کو حذف کرکے مسندِ احمد کی احادیث کی حقیقی تعداد کو جاننا اور ایک حدیث کی تمام سندوں کو ایک شمار کرنا ہے۔ میں نے صرف "مُسندُ أبي هُريرة" میں یہ کام کیا تو معلوم ہوا کہ تکرار کو حذف کرنے کے بعد مسندِ احمد میں (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی) احادیث کی تعداد صرف (۱۵۷۹) ہے۔ کہاں یہ تعداد اور کہاں ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ تعداد (۵۳۷۴)؟! کیا باقی تمام روایات امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے رہ گئیں؟! میرا یہ گمان نہیں۔

میرے نزدیک زیادہ راجح یہ ہے کہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بقی بن مخلد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کی ہوئی تمام روایات شمار کی ہیں اور اُن میں مکرر روایات کو بھی داخل کردیا ہے۔ اور یوں متعدد سندوں کی وجہ سے ایک حدیث بھی کئی بار شمار ہوگئی۔ نیز ممکن ہے کہ امام بقی رحمۃ اللہ علیہ بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ایک حدیث کی تقطیع کرتے ہوئے اُس کے مختلف حصوں کو ابواب اور معانی کے اعتبار سے کئی بار روایت کرتے ہوں، مذکورہ نکتے کی تائید ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے اُس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ بقی بن مخلدؒ نے ہر صحابیؓ کی احادیث کو ابوابِ فقہ کے اعتبار سے مرتب کیا ہے۔

مزید براں مسندِ احمد میں بہت سی ایسی احادیث ہیں، جنہیں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے استطراداً راوی صحابیؓ (کی مسند) کے علاوہ کسی اور صحابیؓ کی مسند میں ذکر کیا ہے۔ نیز بعض احادیث، دو یا دو

سے زیادہ صحابہؓ سے بھی مروی ہوتی ہیں، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کبھی ایسی حدیث کو اُن صحابہؓ میں سے ہر ایک کی مسند میں ذکر کرتے ہیں، اور کبھی کسی ایک کی مسند میں ہی ذکر کر دیتے ہیں، دوسرے راوی کی مسند میں ذکر نہیں کرتے۔ مجھے بعض صحابہؓ کی ایسی احادیث بھی ملی ہیں جو اُنہوں نے راوی صحابیؓ کی مسند میں ذکر نہیں کیں، بلکہ کسی اور صحابیؓ کی مسند میں درج کی ہیں، لیکن اس پوری تفصیل کے نتیجے میں بھی ''مُسندُ أبي هُريرة'' کے متعلق مذکورہ دونوں تعدادوں جیسے بڑے فرق کی گتھی نہیں سلجھتی۔ اللہ نے چاہا تو اُمید ہے کہ ہمیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات کی طرح ہر صحابیؓ سے مروی احادیث کو شمار کرنے کی توفیق ملے گی۔ میں نے اُن احادیث کی تعداد کو جمع کیا، جنہیں ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے مسندِ بقی میں مذکور احادیث کے اعتبار سے صحابہؓ کی جانب منسوب کیا ہے، نتیجتاً احادیث کی تعداد (۳۱۰۶۴) ہوئی، یہ تعداد مسندِ احمد میں مذکور روایات کی تعداد سے کم یا اُس کے قریب قریب ہے۔''

تنبیہِ سوم

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سنہ سات ہجری میں غزوۂ خیبر سے قبل اسلام قبول کیا تھا، اور پھر ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ کے درِ اقدس سے چمٹے رہے، یوں اُنہوں نے حیاتِ نبوی کے لگ بھگ چار برس اور چند راتیں پائی ہیں۔

ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی اپنی کتاب ''أبوهُريرةَ والحقيقةُ الكاملةُ'' (ص:۴۳) میں رقم طراز ہیں:

''لَو حَسِبنا عَددَ أيّام صُحبةِ أبي هُريرةَ لِرسولِ اللهِ وهي تبلغُ أكثرَ من (١٤٦٠) يومًا، وقسَمنا هٰذه الأحاديثَ (٥٣٧٤ حديث) علٰى هٰذِه الأيّام .... وجَدنا أنَّهُ يَرويْ كلَّ يومٍ مَا يُقارِبُ ثَلاثةَ أحاديثَ ونِصفاً، وفي كُلِّ مئةِ يومٍ (٣٦٧) حَديثاً، أو كانَ يحفظُ مِئةَ حديثٍ في كلِّ سبعةٍ وعشرينَ يومًا . زِدْ عَلى ذٰلك أنَّه إذا حذَفنا المكرَّر مِنْ أحاديثِ أبي هريرةؓ نجدُ أنَّ العددَ الأصليَّ لا يصِلُ إلٰى (١٣٠٠) حديث.''

''اگر ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزرے ایام شمار کریں تو اُن کی تعداد (۱۴۶۰) سے زیادہ بنتی ہے۔ اب ہم اُن سے مروی احادیث کی تعداد (۵۳۷۴) کو اُن ایام میں تقسیم کریں تو نتیجتاً اُنہوں نے ہر روز تقریباً ساڑھے تین حدیثیں روایت کی ہیں، اور ہر سو دنوں میں (۳۶۷) احادیث روایت کیں، یا بالفاظِ دیگر وہ ہر ستائیس دنوں میں سو احادیث یاد کرتے تھے۔ مزید براں اگر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث میں سے مکرر روایات کو حذف

کریں تو اصل تعداد (۱۳۰۰) تک بھی نہیں پہنچے گی۔''

تنبیہِ چہارم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اکثر احادیث کے الفاظ تھوڑے ہیں، اگر (ان کی) حدیثیں (الفاظ کی تعداد کے اعتبار سے) تھوڑی لمبی بھی ہیں تو مختصر جملوں پر مشتمل ہیں۔ آدھے صفحے پر مشتمل یا اس سے زیادہ لمبے متون زیادہ نہیں، اگر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی سینکڑوں مختصر متونِ حدیث جمع کریں تو سب متون تھوڑے اوراق میں سمٹ جائیں گے، اور چند مہینوں میں اُن کو یاد کرنا بھی دشوار نہیں۔

''الضوءُ اللامعُ المبینُ عَن مَناهجِ المحدِّثین'' (ص:۱۳۳) میں مذکور ہے:

''لَو جمَعنا كلَّ مرويَّاتِ أبي هُريرة في كتابٍ واحدٍ فَلنْ تزيدَ عَنْ جزءٍ صغيرٍ، ذٰلك أنَّ الكثيرَ مِنَ الخَمسةِ آلافٍ والثَّلاثِ مِئةٍ والأربعِ والسبعينَ، عَددُ ما رَواه لايُجَاوِزُ السَّطْرَ والسَّطْرَيْنِ.''

''اگر ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات ایک کتاب میں یکجا کرنا چاہیں تو ایک چھوٹے جزء سے زیادہ نہ ہوں گی، اس لیے کہ پانچ ہزار تین سو چوہتر احادیث میں سے اکثر روایات ایک دو سطروں سے متجاوز نہیں۔''

تنبیہِ پنجم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح وثابت احادیث میں سے اکثر کی روایت میں وہ اکیلے نہیں، بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کو روایت کرنے میں اُن کے ساتھ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شریک ہیں۔

(جاری ہے)

اسلافِ اُمت کا رمضان میں تلاوتِ قرآن کا معمول

مولوی عصمت اللہ نظامانی
متعلم تخصصِ علومِ حدیث، جامعہ

قرآن کریم کی تلاوت ایک عظیم الشان اور اہم عبادت ہونے کے ساتھ پُرکیف وپُرلذت عبادت بھی ہے۔ متعدد آیات اور کئی احادیثِ مبارکہ میں مختلف طریقوں سے قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی ترغیب وتاکید کی گئی ہے، اور تلاوتِ قرآن سے بے اعتنائی اور غفلت برتنے پر وعید سنائی گئی ہے۔ دوسری طرف رمضان المبارک میں تلاوتِ قرآن کی اور زیادہ اہمیت وفضیلت ہے؛ کیونکہ قرآن پاک کو رمضان کے ساتھ خصوصی تعلق ہے کہ اس کا نزول اسی ماہِ مبارک میں ہوا، جیسا کہ سورۂ بقرہ (آیت:۱۸۵) میں ہے:

''شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِيۡٓ أُنۡزِلَ فِيۡهِ الۡقُرۡآنُ۔''

ترجمہ: ''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔''

چنانچہ ہر رمضان میں نبی کریم ﷺ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن پاک کا دور کرتے تھے، جیسا کہ بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے:

''وكان جبريل يلقاه في كل ليلة من رمضان، فيدارسه القرآن.''(۱)

ترجمہ: ''جبرائیل علیہ السلام رمضان کی ہر رات حضور ﷺ سے ملا کرتے اور آپ ﷺ کے ساتھ قرآن پاک کا دور کرتے تھے۔''

لہٰذا قرآن کریم کے رمضان المبارک کے ساتھ اس خصوصی تعلق کی وجہ سے ہمارے اسلاف اور اکابرین کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ رمضان میں تلاوتِ قرآن کثرت سے کرتے تھے، اور عام مہینوں کی بنسبت رمضان میں تلاوت زیادہ کرتے تھے، بلکہ بعض اکابرین کا تلاوتِ قرآن کے سلسلے میں ایسا معمول رہا ہے کہ پڑھنے والا حیران رہ جاتا ہے، اور اسلاف کی قرآن شریف کے ساتھ انتہائی محبت اور شغف کا اعتراف کیے بغیر

نہیں رہ سکتا۔ ذیل میں انہی اسلاف کے رمضان میں تلاوتِ قرآن سے متعلق معمولات اور واقعات ذکر کیے جارہے ہیں۔

کثرتِ تلاوت سے متعلق ضروری وضاحت

کثرتِ تلاوت سے متعلق دو باتوں کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے:

(الف) بعض احادیث میں تین دنوں سے کم میں قرآن پاک ختم کرنے سے ممانعت آئی ہے۔ (۲)

لیکن حضرات فقہائے کرام اور ائمہ محدثین نے قرآن پاک کی عمومی آیات اور دیگر احادیث وآثار وغیرہ پر نظر کرتے ہوئے اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ ممانعت مطلقاً عدمِ جواز کے لیے نہیں ہے، بلکہ اس صورت میں ہے کہ اگر زیادہ تیز تلاوت کرنے سے الفاظ کی ادائیگی درست طریقے سے نہ ہوتی ہو یا غفلت سے تلاوت کی جائے وغیرہ۔ لیکن اگر تلفظ کی درستگی اور تجوید کا لحاظ رکھتے ہوئے، شوق ونشاط کے ساتھ تین دنوں سے کم میں ختمِ قرآن کیا جائے تو یہ ممنوع نہیں ہوگا۔ (۳) چنانچہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تین دنوں سے کم میں ختمِ قرآن کرتے تھے، چنانچہ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

’’وأما الذين ختموا القرآن في ركعة، فلا يحصون لكثرتهم، فمنهم عثمان بن عفان وتميم الداري.‘‘(۴)

ترجمہ: ’’اور جن لوگوں نے ایک رکعت میں ختمِ قرآن کیا ہے، زیادہ ہونے کی وجہ سے انہیں شمار کرنا مشکل ہے۔ ان میں سے حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت تمیم داریؓ بھی ہیں۔‘‘

(ب) تقویٰ وطہارت اور دیگر وجوہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہمارے اسلاف کے وقت میں برکت ڈالی تھی، اسی طرح ان کی ہمت اور قوتِ ارادی بھی زیادہ تھی، جس کی وجہ سے وہ تھوڑے سے وقت میں زیادہ کام انجام دیتے تھے، اور مختصر وقت میں زیادہ تلاوت کرتے تھے۔ اور وقت میں برکت پیدا ہونے کا ثبوت بعض احادیث سے بھی ہوتا ہے، چنانچہ علامہ ابن حجرؒ رقم طراز ہیں:

’’وفي الحديث أن البركة قد تقع في الزمن اليسير حتى يقع فيه العمل الكثير.‘‘(۵)

ترجمہ: ’’حدیث میں ہے کہ بسا اوقات تھوڑے سے زمانے میں برکت ہوتی ہے، یہاں تک کہ اس میں زیادہ عمل ہوجاتا ہے۔‘‘

اور علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

’’وفيه: الدلالة على أن الله تعالىٰ يطوي الزمان لمن يشاء من عباده.‘‘(۶)

ترجمہ: ''اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے زمانہ لپیٹ دیتا ہے۔''

لہٰذا موجودہ زمانے کے لوگوں پر اسلاف کو قیاس کرکے ان کے تلاوتِ قرآن سے متعلق حیرت انگیز واقعات کا انکار کرنا دانشمندی نہیں ہوگی۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے محدث ہونے کے ساتھ نڈر اور بہادر مجاہد بھی تھے، اور ظلم وستم کے خلاف برسرِ پیکار رہتے تھے۔ دیگر دینی خدمات انجام دینے کے باوجود وہ رمضان المبارک میں ہر روز مغرب وعشاء کی نماز کے درمیان ایک قرآن پاک ختم کرتے تھے، اور لوگ ان کی رعایت میں عشاء کی نماز عام وقت سے کچھ مؤخر کرکے پڑھتے تھے، چنانچہ تراجم وطبقات وغیرہ کی کتب میں ان سے متعلق لکھا ہے:

''كان سعيد بن جبير يختم القرآن فيما بين المغرب والعشاء في شهر رمضان.''(۷)

ترجمہ: ''سعید بن جبیرؒ ماہِ رمضان میں مغرب اور عشاء کی نماز کے درمیان قرآن مجید ختم کرتے تھے۔''

قتادہ بن دعامہ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

حضرت قتادہ بن دعامہ رحمۃ اللہ علیہ کو علم حدیث میں بلند مقام حاصل تھا۔ بڑے بڑے محدثین ان سے روایتِ حدیث کرتے تھے، اگرچہ ظاہری بصارت سے محروم تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بہترین حافظہ عطا کیا تھا۔ تلاوتِ قرآن کے سلسلے میں ان کا معمول یہ تھا کہ ہر ہفتے ایک قرآن ختم کرتے تھے، لیکن رمضان المبارک میں اور زیادہ تلاوت کرتے تھے، اور ہر تین دنوں میں قرآن پاک کا ختم فرماتے تھے، اور آخری عشرے میں ہر روز ختمِ قرآن کا معمول تھا، جیسا کہ علامہ ذہبیؒ نے ذکر کیا ہے:

''كان قتادة يختم القرآن في سبع، وإذا جاء رمضان ختم في كل ثلاث، فإذا جاء العشر ختم كل ليلة.''(۸)

ترجمہ: ''حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ ہر ہفتے قرآن پاک ختم کرتے تھے، اور جب رمضان آتا تو ہر تین دنوں میں ختم کرتے، پھر جب آخری عشرہ آتا تو ہر رات ختمِ قرآن کرتے تھے۔''

منصور بن زاذان رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

منصور بن زاذانؒ تابعی اور حدیث کے رواۃ میں سے ہیں۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں دیگر اوصاف

کے ساتھ ''ثقة حجة'' بھی کہا ہے (۹)، جو کہ تعدیل کے اعلیٰ مراتب میں سے ہے، حضرت منصور بن زاذان رحمۃ اللہ علیہ انتہائی عبادت گزار بھی تھے، یہاں تک کہ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ اتنے زیادہ نیک اعمال کرتے تھے کہ: ''لو قيل لمنصور بن زاذان إن ملك الموت على الباب ما كان عندهٗ زيادة في العمل.'' (۱۰) یعنی اگر منصور بن زاذان رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا جائے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام دروازے پر کھڑے ہیں تو اس سے بھی ان کے عمل میں اضافہ نہیں ہوسکے گا۔

ان کو قرآن پاک سے خصوصی لگاؤ تھا، چنانچہ رمضان المبارک میں ان کا تلاوتِ قرآن کا معمول یہ ہوتا تھا کہ روزانہ مغرب اور عشاء کے درمیان ایک ختم کرتے تھے، چنانچہ ہشام بن حسان ان کے بارے میں کہتے ہیں:

''وكان إذا جاء رمضان ختم القرآن العظيم فيما بين المغرب والعشاء.'' (۱۱)

ترجمہ: ''جب رمضان کا مہینہ ہوتا تو وہ مغرب اور عشاء کے درمیان ختمِ قرآن کرتے تھے۔''

بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت منصور بن زاذان رحمۃ اللہ علیہ ماہِ رمضان میں ہر روز دو مرتبہ ختمِ قرآن کرتے تھے۔ (۱۲)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

امام ابوحنیفہؒ کے علمی مرتبے سے کون ناواقف ہوگا؟ ان کے فقہی مقام کا موافقین کے ساتھ مخالفین کو بھی اعتراف ہے۔ تدوینِ فقہ کی مشغولیت، اور تعلیم وتدریس وغیرہ کی مصروفیت کے باوجود رمضان المبارک میں کثرت سے تلاوتِ قرآن کرتے تھے، اور رمضان میں ہر دن اور رات کو ایک ایک ختمِ قرآن کرتے تھے، اور یہی معمول عید الفطر کی رات اور دن کو بھی رہتا تھا۔ اس طرح کل ملا کے باسٹھ (۶۲) مرتبہ ختمِ قرآن کرتے تھے، چنانچہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''كان أبو حنيفة يختم القرآن كل يوم وليلة ختمة، فإذا كان شهر رمضان ختم فيه مع ليلة الفطر و يوم الفطر اثنتين وستين ختمة.'' (۱۳)

ترجمہ: ''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہر دن اور رات کو ختمِ قرآن کرتے تھے، اور جب ماہِ رمضان ہوتا تو عید الفطر کی رات اور دن ملا کر باسٹھ (۶۲) ختم کرتے تھے۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک عالی مقام فقیہ اور بلند پایہ محدث تھے۔ علم کی نشر واشاعت میں ہمہ وقت لگے

رہتے تھے، لیکن اس کے باوجود تلاوتِ قرآن بکثرت کرتے تھے، اور رمضان المبارک میں یہ معمول بڑھ جاتا تھا کہ دن کو ایک ختم اور رات کو دوسرا ختم کرتے تھے، اس طرح ماہِ مبارک میں ساٹھ (۶۰) مرتبہ ختمِ قرآن کرتے تھے، جیسا کہ ربیع بن سلیمان کہتے ہیں:

''كان الشافعيؒ يختم في كل ليلة ختمة، فإذا كان في شهر رمضان ختم في كل ليلة منها ختمة وفي كل يوم ختمة، فكان يختم في شهر رمضان ستين ختمة.''(۱۴)

ترجمہ: ''امام شافعیؒ ہر رات ختمِ قرآن کرتے تھے، اور جب رمضان ہوتا تو رات کو ایک ختم اور دن کو دوسرا ختمِ قرآن کرتے تھے، لہٰذا ماہِ رمضان میں ساٹھ (۶۰) ختمِ قرآن کرتے تھے۔''

حارث بن اسد رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

حضرت حارث بن اسد رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور تلامذہ میں سے ایک ہیں۔ تحصیلِ علم کے بعد وہ اور امام مالکؒ کے دوسرے دو مشہور شاگرد یعنی ابن وہبؒ اور ابن قاسمؒ رخصت ہونے لگے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابنِ وہبؒ اور ابن قاسمؒ کو تقویٰ اور علم کی نشر واشاعت وغیرہ کی وصیت کی، لیکن حارث بن اسدؒ کو تلاوتِ قرآن کی نصیحت کی۔ چنانچہ وہ فرماتے تھے: ''لم يرني أهلاً للعلم'' یعنی امام مالکؒ نے مجھے علم کا اہل نہیں دیکھا ہوگا، اس لیے علم سے متعلق نصیحت نہیں کی۔ بہرحال امام مالکؒ کی اس نصیحت کو انہوں نے اپنی زندگی کا اہم مقصد بنالیا، اور بہت زیادہ تلاوتِ قرآن کرتے تھے، چنانچہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ان کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''كان ثقة خياراً مستجاباً يختم القرآن في كل ليلة من رمضان.''(۱۵)

ترجمہ: ''وہ ثقہ، نیک اور مستجاب الدعوات تھے، رمضان میں ہر رات ختمِ قرآن کرتے تھے۔''

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسی جلیل القدر ہستی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ احادیث کی نشر واشاعت میں مشغولیت اور انہماک کے باوجود رمضان المبارک میں کئی مرتبہ ختمِ قرآن کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ سحری کے وقت تقریباً تہائی قرآن کے بقدر تلاوت کرتے، اور ہر تین دنوں میں بوقتِ سحری ایک مرتبہ ختمِ قرآن کرتے۔ اسی طرح ہر روز دن کو بھی ختمِ قرآن کرتے تھے، اور قرآن کی تکمیل بوقتِ افطار کرتے تھے؛ کیونکہ ایک تو افطاری کا وقت قبولیتِ دعا کا وقت ہے، اور دوسرا ختمِ قرآن کے موقع پر بھی دعا قبول ہوتی ہے۔ اس طرح دونوں کو جمع کرتے تھے، جیسا کہ خطیب بغدادیؒ امام بخاریؒ کے حالات میں لکھتے ہیں:

’’وكان يقرأ في السحر ما بين النصف إلى الثلث من القرآن، فيختم عند السحر في كل ثلاث ليال، وكان يختم بالنهار كل يوم ختمة، وتكون ختمة عند الإفطار كل ليلة و يقول: عند كل ختم دعوة مستجابة.‘‘(۱۶)

ترجمہ: ’’امام بخاریؒ سحری کے وقت آدھے یا تہائی کے بقدر قرآن کی تلاوت کرتے، اور ہر تین راتوں میں بوقتِ سحر قرآن پاک ختم کرتے تھے، اور ہر دن کو بھی ختمِ قرآن کرتے تھے، اور یہ ختم افطار کے وقت ہوتا تھا، اور وہ فرماتے تھے کہ ہر ختم کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔‘‘

محمد بن محمد تیونسی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

محمد بن محمد بن عبد الرحمٰن تیونسی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے مشہور بزرگ اور عبادت گزار تھے، ابتدا میں تجارت کرتے تھے، اور بڑی دولت کے مالک تھے، لیکن پھر تمام مال اللہ کی راہ میں خرچ کردیا، اور ہمہ وقت عبادت میں مشغول رہنے لگے۔ قرآن پاک سے بہت محبت تھی، چنانچہ رمضان المبارک میں ایک سو مرتبہ ختمِ قرآن کرتے تھے، جیسا کہ علامہ ابن الخطیبؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’وكان يختم القرآن في شهر رمضان مائة ختمة.‘‘(۱۷)

ترجمہ: ’’وہ ماہِ رمضان میں ایک سو (۱۰۰) مرتبہ ختمِ قرآن کرتے تھے۔‘‘

ابوبکر محمد بلاطنسی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

ابوبکر محمد بن محمد بلاطنسی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے مشہور عالم دین تھے۔ مختلف علوم میں ان کو مہارت حاصل تھی، لیکن علمِ فقہ میں ان کا بہت بلند مقام تھا کہ وقت کے فقہاء بھی مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ زندگی کا ایک بڑا حصہ علم کے حصول اور اس کی نشر و اشاعت میں گزارا، اور آخری عمر میں دیگر دینی اور علمی مصروفیات کم کر کے تلاوتِ قرآن کثرت سے کرنے لگے۔ رمضان المبارک میں ان کا تلاوتِ قرآن کے سلسلے میں یہ معمول تھا کہ ہر رات دو مرتبہ ختمِ قرآن کرتے تھے، جیسا کہ علامہ نجم الدین غزیؒ ان کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

’’وكان يختم في رمضان في كل ليلة ختمتين وأكب في آخر عمره على التلاوة، فكان لا يأتيه الطلبة لقراءة الدرس إلا وجدوه يقرأ القرآن.‘‘(۱۸)

ترجمہ: ’’وہ رمضان میں ہر رات دو مرتبہ ختمِ قرآن کرتے تھے، اور آخری عمر میں تلاوتِ قرآن میں انہماک کے ساتھ مشغول ہوئے، جب بھی طلبہ سبق پڑھنے آتے تو انہیں قرآن کی تلاوت

کرتے ہوئے پاتے۔‘‘

محمود بن ابی بکر جزری رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

محمود بن ابی بکر جزری رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق شافعی مسلک سے تھا۔ متعدد علوم وفنون میں کمال اور مہارت حاصل کی تھی، لیکن بعد میں سلوک وتصوف کی طرف زیادہ مائل ہونے لگے، اور زیادہ وقت عبادات وغیرہ میں خرچ کرتے تھے، تلاوتِ قرآن کے ساتھ انہیں بہت شغف تھا، اور ماہِ رمضان میں اور زیادہ ذوق وشوق سے تلاوت کرتے تھے، چنانچہ ماہِ مبارک میں ہر روز دو ختمِ قرآن کرتے تھے، جیسا کہ سوانح نگار اُن سے متعلق لکھتے ہیں:

’’وكانت له مناقب كثيرة وأشياء عجيبة في ذٰلك وكان يصوم يوماً و يفطر يوماً ويختلي في رمضان في مكان يختم القرآن مرةً بالليل ومرةً بالنهار.‘‘(۱۹)

ترجمہ: ’’ان کے بہت مناقب اور اس سلسلے میں حیرت انگیز اشیاء ہیں، وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے، اور رمضان میں ایک مکان میں خلوت اختیار کرتے، جہاں وہ ایک مرتبہ دن کو اور ایک مرتبہ رات کو ختمِ قرآن کرتے تھے۔‘‘

محمد زاہد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

شیخ محمد زاہد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ حرمین شریفین کے علماء میں سے تھے، ان کو مسجدِ نبوی میں درس وتدریس کا شرف بھی حاصل رہا ہے۔ علمی مشغولیات کے باوجود رمضان میں کثرت سے تلاوت کرتے تھے، اور ہر رات نماز میں ختمِ قرآن کرتے تھے، ان کے مضبوط حفظِ قرآن کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس زمانے کے حفاظ کی ایک جماعت نے ان پر اعتراض کیا کہ ایک ہی رات میں ختمِ قرآن کرنے سے الفاظ کی درست ادائیگی نہیں ہوتی ہوگی، لہٰذا انہوں نے اپنا ایک آدمی شیخ محمد زاہدؒ کے پیچھے کھڑا کیا کہ اگر شیخ کی تجوید وترتیل، الفاظ یا کسی دسرے اعتبار سے کوئی بھی غلطی ہو تو وہ بیان کرے، ہر ایک غلطی بیان کرنے پر اس کو ایک مخصوص رقم دی جائے گی، چنانچہ وہ شخص شیخ محمد زاہدؒ کے پیچھے کھڑا ہوا، شیخ نے رات کو مکمل قرآن پاک ختم کیا، لیکن ان کی ایک غلطی بھی وہ شخص نہ نکال سکا۔ (۲۰)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمارے اسلاف کو تلاوتِ قرآن کے ساتھ خصوصی شغف تھا، اور رمضان المبارک میں تو تلاوت کا معمول اور بڑھ جاتا تھا، اور دیگر نفلی عبادات پر تلاوتِ قرآن کو ترجیح دیتے تھے، لہٰذا ہم سب مسلمانوں کو چاہیے کہ تلاوتِ قرآن کا معمول بنائیں، اور بالخصوص رمضان المبارک میں کثرت سے

تلاوت کریں۔

حواشی وحوالہ جات

١: صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب صفة النبي صلى الله عليه وسلم، (١٨٨/ ٤)، رقم الحديث: ٣٥٥٤، الناشر: دار طوق النجاة، ط:١٤٢٢ھ

٢: صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب صوم يوم وإفطار يوم، (٤٠/ ٣)، رقم الحديث: ١٩٧٨

٣: البرهان في علوم القرآن للزركشي، (٤٧١/ ١)، الناشر: دار إحياء الكتب العربية، مصر

٤: الأذكار للنووي، (ص:١٠٢)، الناشر: دار الفكر- بيروت، ط:١٤١٤ھ- ١٩٩٤م

٥: فتح الباري لابن حجر، (٤٥٥/ ٦)، الناشر: دار المعرفة، بيروت

٦: عمدة القاري للعيني، (٧/ ١٦)، الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت

٧: تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي، (٣٦٣/ ١٠)، تحقيق: بشار عواد معروف، الناشر: مؤسسة الرسالة- بيروت، ط:١٤٠٠ھ- ١٩٨٠م

٨: سير أعلام النبلاء للذهبي، (٢٧٦/ ٥)، الناشر: مؤسسة الرسالة- بيروت، ط:١٤١٣ھ- ١٩٩٣م

٩: تذكرة الحفاظ للذهبي، (١٠٧/ ١)، الطبقة الرابعة، الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت، ط:١٤١٩ھ- ١٩٩٨م

١٠: تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي، (٥٢٥/ ٢٨)

١١: إكمال تهذيب الكمال للعلامة مغلطاي، (٣٦٩/ ١١)، رقم الترجمة: ٤٧٤٣، الناشر: الفاروق الحديثة للطباعة والنشر، ط:١٤٢٢ھ- ٢٠٠١م

١٢: تاريخ الإسلام للذهبي، (٧٤٠/ ٣)، تحقيق: الدكتور بشار عواد معروف، الناشر: دار الغرب الإسلامي- بيروت، ط:٢٠٠٣م

١٣: أخبار أبي حنيفة وأصحابه للصيمري، (ص:٥٥)، الناشر: عالم الكتب- بيروت، ط:١٤٠٥ھ- ١٩٨٥م

١٤: تاريخ دمشق لابن عساكر، (٣٩٢/ ٥١)، الناشر: دار الفكر- بيروت، ط:١٤١٥ھ- ١٩٩٥م

١٥: ترتيب المدارك وتقريب المسالك للقاضي عياض، (٣٢٢/ ٣)، الناشر: مطبعة فضالة المحمدية، المغرب

١٦: تاريخ بغداد للخطيب، (٣٣١/ ٢)، الناشر: دار الغرب الإسلامي- بيروت، ط:١٤٢٢ھ- ٢٠٠٢م

١٧: الإحاطة في أخبار غرناطة لابن الخطيب، (٢٠٥/ ٣)، الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت، ط:١٤٢٤ھ

١٨: الكواكب السائرة بأعيان المائة العاشرة للغزي، (٨٩/ ٢)، الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت، ط:١٤١٨ھ- ١٩٩٧م

١٩: سلك الدرر في أعيان القرن الثاني عشر، أبو الفضل محمد خليل، (١٢٧/ ٤)، الناشر: دار البشائر الإسلامية، ط:١٤٠٨ھ- ١٩٨٨م

٢٠: أعلام من أرض النبوة، أنس يعقوب كتبي، (١٠٤/ ٢)، الناشر: المملكة العربية- المدينة النورة، ط:١٤١٤ھ- ١٩٩٣م

جامعہ بنوری ٹاؤن میں تخصص فی الدعوۃ والارشاد

تعارف...ضرورت...اہمیت!

مولوی آصف ملک
متعلم تخصص فی الدعوۃ والارشاد، جامعہ

آٹھ سالہ درسِ نظامی کی رسمی تعلیم مکمل کرنے کے بعد بعض طلباء مزید تعلیم جاری رکھنے اور کسی فن میں کمال حاصل کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں، لیکن وہ اس سلسلے میں پریشان رہتے ہیں کہ کس فن میں تخصص حاصل کیا جائے؟ اس سلسلے میں اپنے اساتذہ اور ساتھیوں سے کچھ مشاورت کرتے ہیں، جس کی بنا پر اساتذہ بعض طلباء کو تخصص فی الفقہ کا مشورہ دیتے ہیں، بعض کو تخصص فی علوم الحدیث کا مشورہ دیتے ہیں، اسی طرح تخصص فی الدعوۃ والارشاد کا بنیادی مقصد جاننے کی کوشش کی اور داعیہ پیدا ہوا کہ تخصص فی الدعوۃ والارشاد کے متعلق کوئی تعارفی مضمون سامنے آنا چاہیے، تاکہ دوسرے احباب کو بھی اس سے شناسائی ہو، اور اس تخصص کے حصول کی رغبت پیدا ہو۔

تخصص فی الدعوۃ والارشاد کا تعارف

تخصص فی الدعوۃ والارشاد دیگر علوم وفنون کی طرح ایک فن ہے، جس میں دین کی دعوت اور راہِ راست کی رہنمائی کے لیے ماہرینِ فن افراد مہیا کیے جاتے ہیں، اس تخصص کا بنیادی مقصد دعوت و رہنمائی کے لیے ایسے افراد تیار کرنا جو صحیح نہج پر اصولِ دعوت کی رعایت کرتے ہوئے اُمت کی رہنمائی کرسکیں۔ اس کا نام تخصص فی الدعوۃ والارشاد اس لیے رکھا گیا کہ اس تخصص سے مقصود مدعو کو حکمت وبصیرت کے ساتھ دعوت دینا اور صحیح راستے کی رہنمائی کرنا ہے۔

اب مدعوین دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو داعی کی بات کو تسلیم کرتے ہیں اور کوئی حجت بازی نہیں کرتے، بلکہ داعی سے وعظ وتذکیر کے خوگر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو موعظت یا حکمت کے ذریعے دعوت دی جاتی ہے اور اس طرح دعوت دینا ان کے لیے مفید ثابت ہوتا ہے۔ اگرچہ ایسے لوگوں کو علماء و تبلیغی جماعت

کے حضرات وعظ ونصیحت کے ذریعے دعوت دے رہے ہیں، مگر تخصص فی الدعوۃ والارشاد میں بھی ایسے لوگوں کو ہلکے پھلکے دلائل وبراہین کے ذریعے دعوت دینے اور انہیں راہِ حق کی طرف متوجہ کرنے کے لیے افراد کی تربیت کی جاتی ہے۔

دوسرے وہ مدعوین جو داعی کی بات کو تسلیم نہیں کرتے ہیں اور داعی سے حجت بازی کرتے ہیں، قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو بھی دعوت دینے کا حکم دیا گیا ہے: ''وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ'' اور تاکید کی کہ ایسے لوگوں سے بدکلامی نہ کی جائے، بلکہ دلائل وبراہین کی قوت کے ساتھ اچھے اور سلجھے انداز سے ان سے گفتگو کی جائے۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسے لوگوں سے بہت واسطہ پڑا، جنہوں نے نہ صرف یہ کہ دعوتِ حق قبول نہیں کی، بلکہ حجت بازی پر بھی اُتر آئے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان ہونے والی گفتگو کی روداد قرآن کریم میں موجود ہے کہ کس انداز سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی وحدانیت کو ثابت کیا اور معبودانِ باطلہ کا رد کیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان ہونے والا مناظرہ بھی قرآن میں موجود ہے، اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں سے مناظرہ کیا اور ان کے اعتراضات کے جوابات دیئے اور اسلام کی دعوت دی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا خوارج کے ساتھ مناظرہ مشہور ہے، جس میں انہوں نے خوارج کے تین اعتراضات کے جوابات دے کر انہیں مطمئن کیا، جس کی وجہ سے بعض خوارج جنگ وقتال سے باز آ گئے۔

اسی طرح ہمارے بہت سے اکابرین نے دعوت کی نیت سے ہندو پنڈتوں، عیسائیوں، پادریوں سے مناظرے کیے، اور ان کے سامنے حق واضح کیا، چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ مسلسل دو سال میلہ خداشناسی کے نام سے شاہ جہاں پور میں منعقد کردہ مباحثہ میں شریک ہوئے، اور وہاں مختلف عیسائیوں، پادریوں اور ہندو پنڈتوں مثلاً پنڈت دیانند سرسوتی، پنڈت اندرمن، پادری اسکاٹ اور پادری نولس وغیرہ جیسے معترضین نے جو اعتراضات اٹھائے تھے، حضرتؒ نے اپنی تقریر میں ان سب اعتراضات کے مدلل اور مسکت جوابات احسن انداز سے دیے، اور اسلام کی حقانیت کو ایسے عقلی ونقلی دلائل سے مزین کیا کہ خود باطل یہ اعتراف کرنے پر مجبور نظر آیا کہ: ''اگر کسی کی تقریر پر ایمان لایا جاتا تو اس نیلی لنگی والے کی تقریر پر ایمان لاتے۔'' حتیٰ کہ بعض پنڈتوں نے یہ بھی کہا کہ: ''اس کے قالب سے کوئی اوتار بولتا ہے۔'' جب آگرہ میں دنیائے عیسائیت کے بڑے پادری فنڈر اور اس کے ساتھیوں نے ہندوستانی مسلمانوں کو اسلام کے متعلق شکوک وشبہات میں مبتلا کرنا چاہا تو حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مذہبِ اسلام اور عیسائیت کا تقابل کر کے اسلام کی حقانیت کو لوگوں کے سامنے بیان کیا تو عیسائیوں کا بڑا پادری راتوں رات اس شہر سے بھاگنے پر مجبور ہوا۔

یہ تھے ہمارے اکابر جنہوں نے ہر محاذ پر اسلام کی حقانیت واضح کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ آج

ہمارے درمیان صرف ان اکابرین کے کارنامے رہ گئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان جیسے کام کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے، لہٰذا وقت کی ضرورت ہے کہ ان اکابرین کی کتابوں کو کھنگالا جائے، اور ان کا بغور مطالعہ کیا جائے۔

گویا تخصص فی الدعوۃ والارشاد میں ان اکابرین کی کتابوں کا مطالعہ کروا کر بالخصوص ایسے معاندین کو دعوت دینے کا طریقہ اور ان کے مدعا کو دلائل و براہین کے ذریعے غلط ثابت کرنے اور اپنے مدعا کو دلائل و براہین سے پیش کرنے کا فن سکھایا جاتا ہے اور بالعموم باقی لوگوں کو دعوت دینے کا طریقہ سکھایا جاتا ہے۔

کیا دعوت وارشاد موجودہ وقت کے لیے موزوں نہیں ہے؟

شاید بعض لوگوں کے ذہن میں یہ خدشہ ہو کہ ملکی حالات اس بات کے متقاضی نہیں ہیں کہ یہ فن سیکھا جائے، یا تخصص فی الدعوۃ والارشاد کے بعد ممکن ہے کہ متخصص انتشار وتفرقہ کا سبب بن جائے، ایسے احباب کی خدمت میں التماس ہے کہ تخصص فی الدعوۃ والارشاد ہرگز انتشار وتفرقہ کا سبب نہیں اور نہ ہی اس تخصص میں فرقہ واریت سکھائی جاتی ہے، بلکہ تخصص فی الدعوۃ والارشاد فرقہ واریت کی روک تھام کا مؤثر ترین ذریعہ ہے، ورنہ اس تخصص کا نام بجائے دعوت وارشاد کی بجائے کچھ اور ہوتا، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اسلام کی حقانیت ان کے سامنے واضح کی جائے، اور جس مذہب پر عمل پیرا ہونے کو وہ راہِ نجات سمجھ رہے ہیں، اس کی حقیقت واضح کی جائے، کیونکہ ہمارے اکابرین کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ حتی الامکان اپنے طلباء کو اہلِ باطل کی فضولیات سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں، لیکن جب اہلِ باطل، اسلام، پیغمبرِ اسلام، اور اسلامی شعائر پر حملہ آور ہوجائیں اور ان کو جواب نہ دینے کی صورت میں اپنے ہی لوگوں کا شکوک وشبہات میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہونے لگے تو ایسی صورت میں اہلِ باطل کو دلائل سے جواب نہ دینا اسلام اور اہلِ اسلام کے لیے نقصان کا باعث ہے، اور ایسی صورت حال میں ایسے ماہرینِ فن کا ہونا بہت ضروری ہے جو اُن کے اعتراضات کے مضبوط اور قوی دلائل و براہین سے عقلی ونقلی جوابات دیں، تاکہ ان کی اصلاح کی حجت تام ہوسکے۔

اسی وجہ سے امام ابو مطیع حکم بن عبداللہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں:

’’ونحن قد ابتُلينا بمن يطعن علينا، و يستحل الدماء منا، فلايسعنا أن لانعلم من المخطئ منا والمصيب، وأن لانذب عن أنفسنا وحرمنا، فقد ابتلينا بمن يقاتلنا، فلابد لنا من السَّلَاح.‘‘ (اشارات المرام عن عبارات الامام، ص:۱۲۱، ط:مکتبۃ زمزم، کراچی)

یعنی ’’ہم اپنے اوپر تنقید کرنے والوں کے ذریعے آزمائش میں مبتلا کیے گئے، اور انہوں نے ہمارے خون بہانے کو حلال سمجھا، لہٰذا اب ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم جان لیں کہ کون غلطی پر ہے اور کون صحیح ہے؟ اور اپنی جان وعزتوں کا دفاع کرنا بھی ضروری ہے، پس ہم مبتلا کیے گئے اس شخص کے ذریعے جو ہمارے (دین میں شبہات پیدا کرکے اور لوگوں کو اُبھار کر) ہمیں (معنًا) قتل

کرنا چاہ رہا ہے، اس لیے ہمارے پاس اسلحہ (یعنی ان شبہات کے ازالہ کے علمی دلائل) کا ہونا بہت ضروری ہے۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ باطل کے زیغ وضلال کو واضح کرنے کے لیے ایک عالم دین کو ایسے علمی دلائل و براہین سے لیس ہونا بہت ضروری ہے جن کے ذریعے بوقتِ ضرورت باطل کو دندان شکن جواب دے کر ان کو ان کے عزائم میں ناکام بنایا جاسکے، لہٰذا جو لوگ حالات کی خرابی کا خدشہ ظاہر کرتے ہیں، ان کی خدمت میں اتنی گزارش ہے کہ ہمارے اکابر نے اس وقت بھی اہلِ باطل سے پنجہ آزمائی کی، جب ان پر فرنگی حکومت مسلط تھی، اس وقت بھی انہوں نے حالات کا بہانہ بنا کر باطل کو موقع نہیں دیا، لہٰذا ایسے علماء وفضلاء کا ہونا وقت کی اہم ضرورت ہے جو بوقتِ ضرورت علمی دلائل اور قوتِ استشہاد کے ذریعے اہلِ باطل کے لیے سدِ سکندری ثابت ہوسکیں۔

اہمیت وضرورت

موجودہ دور میں چند وجوہات کی بنا پر تخصص فی الدعوۃ والارشاد اہمیت کا حامل ہے:

(الف) یوں تو روزِ اول سے ہی اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں کا سلسلہ جاری ہے، لیکن عصرِ حاضر میں اسلام، پیغمبرِ اسلام اور شعائرِ اسلام پر اعتراضات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ قرآن و حدیث بالخصوص سیرت اور اسلامی تاریخ کے متعلق کئی قسم کے اعتراضات اور شبہات کی لہریں زور سے مسلمانوں میں پھیلائی جارہی ہیں اور حتی الامکان مسلمانوں کی طے شدہ قدروں کو مشکوک کرکے مسلمانوں کو ان سے متنفر کیا جارہا ہے۔ چنانچہ کبھی معترضین نے اسلام کو قدیم مذہب قرار دیا، اور کہا کہ اسلامی احکامات موجودہ دور کے مطابق نہیں ہیں، کبھی اسلام کو پرتشدد مذہب ثابت کیا، کبھی مغرب میں آپ ﷺ کی سیرت کو داغدار کرنے اور آپ کی ذات واقوال کو مطعون کرنے کی کوشش کی گئی، اور کہا گیا کہ احادیث ڈھائی سو سال بعد مدون ہوئیں، لہٰذا ان کی کوئی استنادی حیثیت نہیں ہے۔ کبھی آپ کی ازدواجی زندگی پر اعتراض کیا گیا، اور کبھی مسلمانوں میں ایسے نام نہاد مفسرین ومحققین پیدا کیے گئے جنہوں نے انہی کی منشا کے مطابق قرآنی آیات کی تفسیر وتشریح کی خدمت انجام دی، اور ان سب کوششوں سے مقصود مذہبِ اسلام کو مشکوک قرار دینا اور عیسائیت ویہودیت اور دیگر مذاہب کی برتری وبالادستی ثابت کرنا ہے۔

الحمد للہ! ہر دور میں اسلام کے محافظوں نے اسلام پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات دیے ہیں، لہٰذا موجودہ دور میں بھی ایسے مستند علماء ضرور ہونے چاہئیں جو دیگر ادیان اور ان کی کتب وشخصیات اور ان کے اعتراضات واشکالات سے باخبر ہوں، اور معترضین کے سامنے اسلامی تعلیمات واحکامات سمیت دیگر ادیان کی تعلیمات واحکامات بیان کرنے اور ان کے اعتراضات کے جوابات دینے پر قادر ہوں، تاکہ ضرورت کے وقت

احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا حق ادا ہو سکے، اور نوجوان نسل کے ذہن میں مذہبِ اسلام، پیغمبرِ اسلام، اور شعائرِ اسلام کے خلاف جو شکوک وشبہات پیدا کیے جا رہے ہیں، انہیں تسلی بخش جوابات دے کر مطمئن کیا جا سکے، اسی وجہ سے تخصص فی الدعوۃ والارشاد میں تقابلِ ادیان اور شبہات اور ردِ شبہات کے عنوان سے کئی کتب کا مطالعہ کرایا جاتا ہے، تاکہ طالب علم کے اندر مطلوبہ صلاحیت پیدا ہو جائے۔

(ب) اسلام ایک داعیانہ مذہب اور مسلمان ایک داعی قوم ہیں، اور باقی قومیں مدعو ہیں۔ اور داعی قوم کا فریضہ ہے کہ وہ اسلام کی صحیح تعلیمات مدعو قوم تک پہنچائیں، کیونکہ یہ اسلامی تعلیمات کا خاصہ ہے کہ جب بھی اسلامی تعلیمات اخلاص کے ساتھ صحیح طریقے سے مدعو قوم تک پہنچائی جائیں تو وہ رائیگاں نہیں جاتیں، بلکہ ضرور اپنا اثر دکھاتی ہیں، اس لیے کہ عہدِ نبوی میں وہ لوگ جو اسلام کے بارے میں ایک لفظ سننا گوارا نہیں کرتے تھے، جب ان کو اسلامی تعلیمات کی خوبیوں سے آگاہ کیا گیا تو وہ بھی اسلام کی مخالفت سے باز آکر اسلام کے داعی بن گئے، چنانچہ مشرکینِ مکہ کے سردار عتبہ بن ربیعہ کے سامنے جب اسلام کی صحیح صورت حال پیش کی گئی تو وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اپنی قوم سے کہا کہ محمد (ﷺ) کی بات مان لو، اور اس کو ایذا دینے سے باز آجاؤ۔ سیرت کی کتابوں میں اس طرح بہتیرے واقعات موجود ہیں۔ لہٰذا موجودہ دور میں ایسے علماء ہونے چاہئیں، جو دعوت کے اصول سے واقف ہوں اور انہی اصولوں کی رعایت رکھتے ہوئے معاشرہ کی اصلاح کر سکیں۔ معاشرہ میں موجود منکرات کے خاتمہ کے لیے اپنا کردار ادا کر سکیں۔ اور اسی طرح اسلام مخالف لوگوں کو حکمت وبصیرت کے ساتھ اسلام کی طرف راغب کر سکیں، اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے دعوت واصولِ دعوت کے عنوان سے کتب کا مطالعہ کر لیں، تاکہ دعوت کے اصول سے باخبر ہو سکیں۔

(ج) اکیسویں صدی فتنوں کا دور ہے، بالخصوص عالمِ اسلام فتنوں کی آماجگاہ بن گیا ہے، اور کئی فتنے ایسے ہیں جن کی زد میں عمومی مسلمان آکر اپنا ایمان تک گنوا چکے ہیں، اور ان ہی ایمان سوز فتنوں میں سے بعض فتنے بہت تیزی سے عصری تعلیمی اداروں اور دین بیزار نوجوانوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہے ہیں، بالخصوص فتنۂ الحاد، فتنۂ انکارِ حدیث اور فلسفۂ مغربیت وجدیدیت۔ ان فتنوں کے علمبردار اسلام کی عمارت میں نقب زنی میں دن رات مصروفِ عمل ہیں، جس کی وجہ سے مختلف تعلیمی اداروں میں برملا خدا کے وجود کا انکار کیا جانے لگا ہے۔ نوجوان نسل الحادی فکر اپنانے لگی ہے، یہاں تک کہ سوشل میڈیا پر سرِ عام اپنی ملحدانہ افکار کی ترویج کرنے لگے ہیں۔ ایک طرف ملحدین 'مخلوق اور خالق کے درمیان رشتہ کو کمزور کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں تو دوسری طرف منکرینِ حدیث کی جانب سے حدیث کو ناقابلِ اعتبار قرار دینے کے لیے روزانہ نت نئے مفروضے اور شوشے چھوڑے جاتے ہیں کہ: احادیث ڈھائی سو سال بعد مدون ہوئیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث کے تمام مجموعے جلا دیے تھے، احادیث قرآن سے متصادم ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ ان سب شکوک وشبہات کا مقصد صرف اور

صرف لوگوں کی نظر میں ذاتِ نبی ﷺ کو مشکوک قرار دینا اور آپ ﷺ کی حدیث سے لوگوں کا اعتماد ختم کرنا ہے۔

لہٰذا ایک عالم دین ہونے کے ناطے ہمارا فرض ہے کہ ان تمام فتنوں کو سمجھا جائے، ان کے متعلق آگاہی حاصل کی جائے، اور جہاں جہاں اسلام کے خلاف محاذ آرائی ہورہی ہو، اس کے خلاف دلائل و براہین کی قوت سے لیس ہوکر ان کا عملی وعلمی دفاع کریں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے فضلاء کے لیے ان فتنوں کا تعاقب تو دور کی بات ہے، وہ ان فتنوں کے خلاف لکھی گئی بنیادی کتابوں سے بھی واقف نہیں ہوتے، لہٰذا ایسے فضلاء کی اشد ضرورت ہے جو اس فن کو سیکھ کر ان فتنوں کا تعاقب کرسکیں، اور فتنوں کے لیے سدِ سکندری ثابت ہوں، اور اس کے لیے تعاقبِ فِتن کے عنوان سے کئی اکابرین کی کتابیں مطالعہ میں شامل ہیں، تاکہ ان کو پڑھ کر موجودہ فِتن سے آگاہ ہوں، تاکہ فضلاء امتِ مرحومہ کو ان فِتن سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنا کردار پیش کرسکیں۔

(د) ایک طرف مختلف فتنوں کے ذریعے مسلمانوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرکے اسلام سے بیزار کیا جارہا ہے، تو دوسری طرف مختلف فرقے پوری تندہی اور مستعدی کے ساتھ نئی نسل کو راہِ حق سے برگشتہ کررہے ہیں، اور ہمارے سادہ لوح مسلمان بھائی انہیں راہِ حق پر سمجھتے ہوئے ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوکر اپنا دین و ایمان گنوا رہے ہیں۔ لہٰذا موجودہ دور میں اپنی نئی نسل کے ایمان کے تحفظ کے لیے ان فرقوں کے عقائد کے بارے میں جاننا ایک عالم کے لیے ناگزیر ہے، اسی وجہ سے تخصص فی الدعوۃ والارشاد میں تعارفِ فِرق کے عنوان سے مختلف فرقوں کے متعلق آگاہی دی جاتی ہے۔

(ھ) امت میں اختلاف کا ہونا ایک فطری امر ہے۔ ہر دور میں یہ اختلاف ہوتا رہا اور ہوتا رہے گا، اس سے مفر نہیں ہے، لیکن اس اختلاف کی آڑ میں ایک دوسرے کی توہین کرنا، نازیبا کلمات سے پکارنا بہت ہی معیوب اور نامناسب عمل ہے۔ لہٰذا ایک متخصص کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جب وہ مختلف فرقوں اور مسالک کی کتب کا مطالعہ کرے تو فنِ اختلاف کے آداب واصول کی بھی رعایت کرے۔ اسی وجہ سے اصولِ اختلاف کے عنوان سے طالب علم کو اختلاف کے اصول وآداب اور اختلاف کے وقت اکابرین کے معمول سے آشنا کیا جاتا ہے، تاکہ اختلاف' انتشار میں تبدیل نہ ہو۔

(و) یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ مستشرقین نے علوم اسلامیہ کے مطالعہ کے لیے مغرب میں باقاعدہ ادارے قائم کیے ہیں، جس میں وہ اسلامی علوم پر تحقیق کرتے ہیں، اور کئی اہم اسلامی علوم پر تحقیق کی خدمت بجالا چکے ہیں۔ لیکن اس تحقیق سے ان کا مقصود اسلام کی خدمت کرنا یا اسلام کی خوبیوں کو بیان کرنا نہیں، بلکہ ان کی تحقیق کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی علمی سرمایہ سے مسلمانوں کے اعتماد میں ضعف پیدا کرنا اور اسلامی علوم میں کمزور پہلوؤں کو تلاش کرکے اسلام، پیغمبرِ اسلام، اور اسلامی شعائر پر اعتراض کرنا ہے، چنانچہ انہوں نے تحقیق کے نام پر اسلامی روایات وتہذیب کا ایسا چہرہ مسخ کیا کہ ہمارے اپنے بھی ان کے دامِ فریب میں آگئے، انہوں

نے نبی کریم ﷺ کی رسالت کی صحت اور احادیثِ نبویہ کی صحت میں شکوک وشبہات پیدا کیے، قرآن مجید کا من جانب اللہ نزول کا انکار کیا، اپنی مرضی سے قرآن مجید کی ایسی تفسیر کی، جس سے اسلامی اقدار پر زد پڑتی ہے۔

لہٰذا ماہرین کی ایک جماعت ایسی بھی ہونی چاہیے کہ جن کی نظر میں مستشرقین کی تحقیقات ہوں، اور ان کی تحقیقات میں کمزور باتوں کی نشاندہی کرسکیں۔

اسی اہمیت کے پیشِ نظر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاون کی مجلس شوریٰ نے تخصص فی الدعوۃ والارشاد کے موقوف سلسلہ کو دوبارہ بحال کیا، تاکہ دورہ حدیث سے فارغ ہونے والے طلباء ادیانِ باطلہ، یہودیت، عیسائیت، ہندومت، وغیرہ سے واقف ہوں، اور بحیثیت عالم دین وہ ملحدین، مستشرقین، اور دوسرے فرقوں اور مذہبوں کی جانب سے اسلام، پیغمبرِ اسلام، اور شعائرِ اسلام پر پھیلائے ہوئے شبہات واعتراضات کا جواب دے سکیں۔

تخصص فی الدعوۃ والارشاد میں پڑھائے جانے والے مضامین

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن میں تخصص فی الدعوۃ والارشاد کا دورانیہ دو سال کا ہے۔ اس دورانیہ میں سترہ اہم عنوانات پر ۸۰ کے قریب کتب سے تقریباً ساڑھے تیئیس ہزار صفحات کا مطالعہ کرایا جاتا ہے، اور ماہانہ بنیاد پر ان کتب کا امتحان بھی لیا جاتا ہے، جن میں سے چند اہم عنوانات درج ذیل ہیں:

اصولِ دعوت، اصولِ اختلاف، اصولِ تکفیر، اصولِ مناظرہ، اصولِ تحقیق، عقائد وعلم الکلام، تقابلِ ادیان، تعارفِ فرق، تعاقبِ فتن، فلسفۂ مغربیت و جدیدیت، مقاصدِ شریعت واسرار وحکم، تعارفِ کتب، اسلام، قرآن، پیغمبرِ اسلام کے متعلق اعتراضات اور جوابات، اور انگریزی، کمپیوٹر، جبکہ دوسرے سال میں مختلف موضوعات پر مقالہ جات بھی لکھوائے جاتے ہیں۔

تخصص فی الدعوۃ والارشاد کے اغراض ومقاصد

تخصص فی الدعوۃ والارشاد کے درج ذیل مقاصد ہیں:

(الف) ایسے علماء وفضلاء تیار کرنا جو مساجد و مدارس میں درسِ قرآن اور درسِ حدیث دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

(ب) جو تحریر وتقریر کے ذریعے معاشرے میں موجود برائیوں کو ختم کرنے کا جذبہ رکھتے ہوں، اور اس کے لیے عملی طور پر تیار ہوں۔

(ج) جو دعوت کے اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے عوام الناس کو خیر وبھلائی کا حکم کریں، اور ان میں دینی شعور کو بیدار کریں اور اسلام مخالف لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کریں۔

(د) جو عصرِ حاضر کے مختلف فتنوں اور ان کے عزائم سے آگاہ ہوں اور امت کو ان فتنوں کے خطرات سے آگاہ کریں۔

(ھ) جو مختلف مذاہب وفرق کی کتب اور ان کے عقائد ورسوم سے واقف ہوں، تاکہ بوقتِ ضرورت اسلام کی حقانیت اور مذاہبِ باطلہ کے رد کرنے پر قادر ہوں۔

(و) جو مغربی فنون، ان کے افکار ونظریات سے واقف ہوں، اور ان پر تنقیدی جائزہ وتبصرہ کرنے پر قدرت رکھتے ہوں۔

(ز) جو ان تمام شبہات واعتراضات پر گہری نظر رکھتے ہوں جو مخالفینِ اسلام کی طرف سے اسلام، پیغمبرِ اسلام اور قرآن وحدیث کے خلاف پیدا کیے جارہے ہیں، اور ان تمام اعتراضات کا مدلل، مسکت اور علمی جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

(ح) جو الحادی اور استشراقی افکار کو سمجھ کر مدلل انداز میں اس کو رد کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، اور مسلم معاشرے کو ان کے افکار وگمراہی سے بچاسکیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسلام کا بول بالا فرمائے، ہمیں اس خدمت کے لیے قبول فرمائے، اور اُمتِ مسلمہ کو ہمہ قسم کے شرور وفتن سے محفوظ فرمائے۔

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

ہمارا نوجوان

مولانا سفیان علی فاروقی
لاہور

تحفظات...خدشات...اقدامات

عمومی طور پر پندرہ سے پچیس سال کی عمر کے افراد کو نوجوان کہا جاتا ہے (اور پاکستان میں تقریباً ساٹھ فیصد آبادی انہی نوجوانوں پر مشتمل ہے) دوسرے لفظوں میں اُمنگوں، صلاحیتوں، جفاکشی، بلند حوصلگی اور بہترین عزائم کا دوسرا نام نوجوانی ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں کوئی بھی انقلاب وہ چاہے مذہبی سطح کا ہو، سیاسی ہو، معاشرتی یا اقتصادی ہو، سماجی یا سائنسی ہو، انہی نوجوانوں کے رہین منت ہے۔ اسی طرح ایک مسلم نوجوان کو بہت سارے پہلوؤں سے خود کو بچانا بھی پڑتا ہے، جو کہ بلاشبہ کسی جہاد سے کم نہیں۔ دنیا کی کشش اور اس کی چکاچوند بسا اوقات اسے مقصدیت سے ہٹانے کی کوشش کرتی ہے تو وہ اسلام کی پیش کردہ حفاظتی تدابیر اختیار کر کے اپنی حفاظت کرتا ہے۔

یہ فطرتی بات ہے کہ نوجوان اپنے اردگرد موجود ماحول میں تبدیلی کا بہترین وکیل ہوتا ہے اور اگر اس کی تربیت ڈھنگ سے کی گئی ہو تو وہ ایک مثبت اور بہترین تبدیلی کا استعارہ بن کر نمودار ہوتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ ایک نوجوان سماجی، ثقافتی، معاشی اور معاشرتی اصلاحات کے ذریعے لوگوں کی زندگیوں میں بہتری لانے کی جدوجہد میں اپنا حصہ ڈالتا ہے۔ اس سلسلہ میں بھی اسلام ایک صحت مند اور توانا نوجوان کو پسند کرتا ہے اور اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔ اسلام میں ایک صحت مند اور توانا نوجوان ایک صحت مند اور توانا دماغ کا مالک اور ایک صحت اور توانا دماغ ایک صحت مند اور توانا معاشرے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

نوجوانوں کے فرائض پر تو بہت زیادہ گفتگو کی جاتی ہے، جیسے بحیثیت ایک انسان کے اس پر کیا کیا لازم ہے؟ بحیثیت ایک خاندان کے فرد کے، بحیثیت ایک برادری کے فرد کے، بحیثیت ایک معاشرے کے فرد کے، بحیثیت ایک ملک کے شہری کے، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان سب کے ذمہ اس نوجوان کے کیا کیا حقوق

ہیں؟ اس پر بہت کم گفتگو کی جاتی ہے اور آج ہم اسی موضوع پر جامع و مانع انداز میں بات کریں گے۔

نوجوانوں کے حقوق

۱: بہتر پرورش اور نشوونما، ۲: بہتر تعلیم تک رسائی، ۳: بہتر روزگار تک رسائی، ۴: جان و مال کا تحفظ، ۵: ان کی معاشرتی، سماجی و معاشی خدمات میں بہتر معاونت، ۶: خاندانی، معاشرتی، ملکی و سیاسی معاملات میں برابر کی رسائی، ۷: ان کے مسائل کو سننا اور ان کا بہتر حل پیش کرنا، ۸: بروقت شادی، ۹: ان کے رجحانات اور خداداد صلاحیتوں کی پرکھ اور درستگی، ۱۰: ان کے اچھے کاموں کی پذیرائی، وغیرہ شامل ہیں۔

نوجوانوں کے متعلق ریاست اور معاشرے کی ذمہ داری

جب تک ہم اپنے نوجوانوں پر محنت نہیں کریں گے، ان کے حقوق کا خیال نہیں رکھیں گے، انہیں بہتر ماحول فراہم نہیں کریں گے تو اس وقت تک ان سے سو فیصد نتائج حاصل نہیں کیے جاسکتے۔ یہ جو آج جنریشن کا گیپ ہمیں تباہ کرتا جارہا ہے، اس کا یہی سبب ہے کہ ہم نے اپنی نوجوان نسل کے لیے ٹارگٹ غلط چن لیے ہیں، ہم انہیں سکھا کچھ اور رہے ہیں اور نتائج کچھ اور ہی چاہتے ہیں، یعنی گھاس بوکر گندم کی امید لگائے بیٹھے ہیں جو کہ کبھی نہیں ہوسکتی، ہمیں اپنی نوجوان نسل کو بحیثیت ریاست اور بحیثیت ایک معاشرے کے کیا ماحول فراہم کرنا چاہیے، کچھ چیزوں کو ترتیب وار ذکر کرتے ہیں:

① کارآمد تعلیم تک رسائی

ریاست اور معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ باشعور اور کارآمد نوجوان بنانے کے لیے ان کی معیاری تعلیم کا فری یا قابلِ حصول بندوبست کیا جائے اور اس میں سماجی، معاشرتی یا طبقاتی تفریق کا کوئی شائبہ تک نہ ہو، ہمارے ہاں بدقسمتی سے کبھی بھی تعمیری تعلیم ترجیحات میں شامل نہیں رہی، جس کی وجہ سے ہمارے پورے پاکستان میں کوئی بھی سرکاری یا پرائیویٹ تعلیمی ادارہ نہیں جو دنیا کے پہلے ۱۰۰ اداروں میں شامل ہو (دینی مدارس کو نکال کر کیوں کہ بے شمار کمزوریوں کے باوجود لوگوں کے چندوں سے چلنے والے یہ ادارے دنیا کے پہلے دس بہترین دینی اداروں میں شامل ہوتے ہیں)۔

ہمارے ہاں معیاری تعلیم نہ ہونے کی چند ایک وجوہات میں تعلیمی نصاب میں اعلیٰ تعلیمی اداروں میں قومی زبان میں نہ ہونے کے ساتھ ساتھ تعمیری اور اخلاقی مواد کا نا ہونا بھی شامل ہے، بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ایک جمود کی کیفیت طاری ہے اور اس میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قابل، ذہین اور حب الوطنی کے جذبات سے موجزن اساتذہ کی بے توقیری اور ان کا مجبوراً ملک سے نقل مکانی کرنا بھی ایک بہت بڑی وجہ ہے۔ ایک مرتبہ کسی نے ایک ماہرِ تعلیم سے پوچھا کہ: ''آپ اس ملت کے مستقبل کے حوالے سے کیا

کہنا چاہیں گے؟'' تو انہوں نے کہا کہ: ''مجھے ان کا نظامِ تعلیم دکھا دو، میں ان کا مستقبل بتا دوں گا۔''

۲ غربت اور بے روزگاری سے نجات

ریاست اور معاشرے کی اولین ذمہ داری ہے کہ نوجوانوں کو غربت کی دلدل سے نکالے اور انہیں بے روزگاری کی لعنت سے بچانے کے لیے مستقل سکیمیں، چھوٹے بڑے کاروبار میں سپورٹ، مختلف پروجیکٹس اور ریزن ایبل جابز مہیا کی جائیں۔ اگر ہمارے نوجوان کا فریش اور زرخیز دماغ مختلف تفکرات اور پریشانیوں میں گھرا ہوگا تو ظاہر ہے کہ وہ مکمل پرفارم نہیں کر پائے گا، جس کا لامحالہ نقصان معاشرے اور ملک کو ہوگا اور وہ جمود کا شکار ہوکر ترقی کرنے کی بجائے تنزلی کا شکار ہوجائے گا۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں نوجوانوں کو کوئی بھی ایسی سہولت فراہم نہیں کی جاتی، جس کی وجہ سے ملک کا بے شمار کار آمد ذہن ملک سے باہر جا چکا ہے۔

۳ نوجوانوں کے تحفظ کو یقینی بنانا

کسی بھی ریاست اور معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ اپنے مستقبل یعنی نوجوانوں کو کسی بھی قسم کے علاقائی، لسانی، مذہبی، سیاسی اور ریاستی تشدد (جسمانی و ذہنی) سے حفاظت کرے، اس کے ساتھ ساتھ انہیں ان کے مقاصد سے ہٹانے والی ہر قسم کی اخلاقی، معاشرتی اور معاشی رکاوٹوں کو دور کرنا، تمام اخلاق باختہ مواد بشمول کسی بھی قسم کی نشہ آور چیزوں سے ان کی حفاظت کرنا اور بہر طور اس کو روکنا بھی ریاست اور معاشرے کی ذمہ داری ہے۔

۴ سیاست اور ملکی معاملات میں بھرپور شرکت

ریاست اور معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ نوجوانوں کو سیاست اور ملکی معاملات میں بھرپور شرکت کا موقع فراہم کیا جائے، تاکہ یہ نوجوان تیار ہوکر ملک و قوم کی بہتر خدمت کرسکیں، نوجوانوں کی ملکی معاملات میں ذمہ داریوں اور ان کے حقوق پر مسلسل حکومتی اور پرائیویٹ سطح پر ورکشاپس اور سیمینارز کا قیام ہونا چاہیے۔

۵ آزادیِ اظہارِ رائے کا حق

ریاست اور معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ نوجوانوں کو اپنی بات رکھنے اور کرنے کا بھرپور موقع فراہم کریں اور ان کی زبان بندی کے تمام ہتھکنڈوں کی سختی سے بیخ کنی کی جائے، اس وقت پاکستانی نوجوان بے شمار سماجی اور نفسیاتی مسائل کا شکار ہے، اس کو سننا چاہیے۔ اسی سلسلہ میں ایک واقعہ دورِ نبوی ﷺ کا ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک نوجوان بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا اور کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت دیجئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس نوجوان کی اس بیہودہ فرمائش پر سیخ پا ہوئے، مگر نبی

کریم ﷺ نے بالکل منفرد انداز میں اس نوجوان کی اصلاح فرمائی، اسے اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ: کیا تم یہ بات اپنی ماں کے لیے پسند کرتے ہو؟ نوجوان نے کہا: میری جان آپ پر قربان! بالکل پسند نہیں کرتا، پھر آپ ﷺ نے اس کی بہن، پھوپھی اور خالہ کے متعلق یہی استفسار فرمایا اور وہ ہر بار یہی کہتا: میری جان آپ پر قربان ہو، خدا کی قسم! میں ہرگز یہ پسند نہیں کرتا، پھر آپ ﷺ نے اس کو اپنے قریب بلایا اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی، جس کے بعد وہ کبھی بھی اس بے ہودہ کام کی طرف مائل نہیں ہوا۔ سو نوجوانوں کی بات سنیں، وہ صحیح یا غلط جو بھی ہو، پھر اس کو بہتر انداز میں گائیڈ کریں، اس کا رخ ٹھیک کریں، اس سلسلہ میں اس کی معاونت کرنا ایک ریاست اور معاشرے کا بنیادی فرض ہے۔

یہ پانچ بنیادی حقوق جو ایک ریاست اور معاشرے کی ذمہ داری ہے کو ذکر کیا، وگرنہ اور بھی بے شمار حقوق ہیں اور اس موضوع پر مزید بہتر اور زیادہ لکھنے کی ضرورت ہے اور میری دست بستہ اپیل ہے لکھنے اور بولنے والوں سے کہ اس موضوع پر جتنا بہتر لکھ سکتے ہیں لکھیں۔ اب آخر میں چند گزارشات اپنے نوجوان بھائیوں سے بھی ہیں جنہیں اگر مدِنظر رکھا جائے تو وہ اپنا معاشرتی اور قومی فریضہ احسن انداز میں ادا کرسکیں گے۔

نوجوانوں کو کیا کرنا چاہیے؟

❶-نوجوان اور کیریئرازم

دینِ اسلام انسان کی دنیا و آخرت دونوں کی نا صرف فکر کرتا ہے، بلکہ دونوں کو سنوارنے اور بہتر بنانے کی جدو جہد کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے، جتنا اسلام نے اس کی جزئیات میں رہنمائی فرمائی ہے، اتنی کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔ اسلام کہتا ہے: دینی و دنیاوی تعلیم حاصل کرو اور خوب محنت سے حاصل کرو، لیکن حصولِ تعلیم کا مقصد محض حصولِ دولت یا کسی بھی عہدے کا لالچ نہ ہو، بلکہ تعمیرِ انسانیت، ملک وملت کی خدمت کا جذبہ موجزن ہو، یعنی تعلیم آپ کو ایک اچھا اور بہتر انسان بننے میں معاون ہو۔

❷-تعلیماتِ نبوی ﷺ سے دوری

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی سیرت کا مطالعہ کرنا ہر نوجوان کے لیے بہت ضروری ہے، تاکہ پتا چلے قرآن پاک پر کیسے عمل کیا جاتا ہے؟! اور قرآن پاک کو کیسے سمجھا جاتا ہے؟! اور اللہ پاک کی رضا کیسے حاصل کی جاتی ہے؟! اور ان لوگوں نے دنیا کو اتنا اچھا اور بہترین معاشرہ کیسے دیا جس کی دنیا آج تک نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے؟!

❸ - اخلاق باختگی اور دیگر عصری مسائل

مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت زبردست بات فرمائی:

''وقت کا تجدیدی کام یہ ہے کہ امت کے نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقہ میں اسلام کی اساسیات اور اس کے نظام وحقائق اور رسالتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ اعتماد واپس لایا جائے، جس کا رشتہ اس طبقہ کے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے۔ آج کی سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ اس فکری اضطراب اور نفسیاتی الجھنوں کا علاج بہم پہنچایا جائے جس میں آج کا تعلیم یافتہ نوجوان بری طرح گرفتار ہے اور اس کی عقلیت اور علمی ذہن کو اسلام پر پوری طرح مطمئن کر دیا جائے۔''　(نیا طوفان اور اس کا مقابلہ)

آج کا نوجوان جدید عصری مسائل کا شکار ہے جن میں اخلاق باختہ ویڈیوز، مارننگ شوز، ڈرامے، فلمیں اور لٹریچر سرفہرست ہیں، جس طرح ایک معاشرے اور ریاست کی ذمہ داری ہے کہ نوجوانوں کی اخلاقیات اور ان کے عصری مسائل پر توجہ دے، اسی طرح نوجوانوں پر بھی ضروری ہے کہ وہ کام جو انہیں ان کی مقصدیت سے ہٹاتا ہو یا کامیابی کے عمل کو سست روی کا شکار کرتا ہو اس سے دور رہے۔ عمومی طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ یہ چیزیں ان نوجوانوں کو زیادہ پریشان کرتی ہیں جن کی زندگی کسی بڑے مقصد سے خالی ہوتی ہے، جو لوگ کچھ بڑا کرنے کی جدوجہد میں شریک ہوتے ہیں وہ لہو ولعب میں وقت ضائع نہیں کرتے۔

اسی طرح ہمارے نوجوان کو گلوبلائزیشن کے مضر اثرات کا بھی سامنا ہے، جب سے دنیا نے عالمی منڈی کی شکل اختیار کی ہے تو سیکولرازم اور الحادی نظریات نے موجودہ نوجوان نسل کو اُلجھا کر رکھ دیا ہے، جسے ہمارے کچھ اہلِ قلم حضرات تہذیبی جنگ سے بھی تعبیر کرتے ہیں، اس سے زیادہ تر وہ نوجوان طبقہ متاثر ہو رہا ہے جو اپنی تہذیب وتمدن کی افادیت اور اپنی ہسٹری سے ناواقف ہے۔

❹ - اسلامی تاریخ سے ناواقفیت

چوتھی گزارش نوجوانوں سے یہ ہے کہ اپنی اسلامی تاریخ سے واقفیت پیدا کریں، اپنی تہذیب، اپنے تمدن، اپنے علمی ورثہ سے جڑے رہنا بہت ضروری ہے، جو قومیں اپنے عہدِ رفتہ کے نقوش پر نہیں چلتیں یا انہیں فراموش کر دیتی ہیں' ناکامی ونامرادی ان کا مقدر کر دی جاتی ہے۔

ہمیں علم ہونا چاہیے کہ آج یورپ کی تمام تر ترقی اور چکاچوند ہماری قرطبہ اور غرناطہ کی مسلم درسگاہوں کی رہینِ منت ہے۔ ہمیں علم ہونا چاہیے کہ جب اندلس فتح کیا گیا تو چند ہزار مسلمان تھے اور جب سقوطِ اندلس ہوا تو صرف اس کے ایک شہر میں ۱۰ ؍ لاکھ مسلمان تھے۔ ہمیں علم ہونا چاہیے کہ ۱۵ ؍ سو سال میں زیادہ وقت ہم نے دنیا کی حکمرانی کی ہے، ہمیں پتا ہونا چاہیے کہ صلاح الدین ایوبیؒ، نور الدین زنگیؒ، محمود

غزنویؒ، خیر الدین بیبرسؒ، غزالیؒ، فارابیؒ، ابن تیمیہؒ، وغیرہ کون تھے؟! ہمیں علم ہونا چاہیے کہ نبوی دورِ حکومت کیسا تھا؟! صحابہؓ واہلِ بیتؓ نے کیسے نبی کریم ﷺ سے وفا کی؟! کیسے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے پوری دنیا کو نبوی پرچم کے آگے سرنگوں کیا؟! سائنس، صحت، تعلیم، امن، رفاہِ عامہ، حکومت سمیت بے شمار شعبوں کی ابتدا اور بے شمار شعبوں کو عروجِ ثریا پر مسلم سائنسدانوں نے کیسے پہنچایا؟ یعنی پوری ہسٹری سے ہمیں واقفیت ہونی چاہیے۔ یہ واقفیت آپ کی مقصدیت میں ایک بہترین معاون ثابت ہوگی۔

❺-نوجوان اور معاشی مسائل

اسلامی نقطۂ نظر میں مالی منصوبہ بندی اور انتظام کو کسی بھی شخص کی زندگی کا اہم پہلو سمجھا جاتا ہے، اسی لیے نوجوان کو بے روزگاری سے بچانے کے لیے ریاست اور معاشرے پر کچھ ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ کچھ احتیاطی تدابیر ہمارے نوجوانوں کو بھی اختیار کرنی چاہئیں:

① اِسراف سے گریز کریں: صرف ضرورت کی چیزوں پر بقدرِ ضرورت ہی خرچ کریں، نام و نمود، فیشن اور شوخی کے چکروں سے خود کو باز رکھیں اور سادگی کو اپنائیں۔

② قرض سے اجتناب: قرض سے جس حد تک ممکن ہو بچا جائے، ضروریات کی حد تک اور خواہشات کو پورا کرنے کے لیے قرض کو خود پر نہایت ممنوع خیال کریں۔

③ بچت: جائز اور ممکنہ حد تک بچت کی کوشش کریں، یعنی قناعت کریں، تاکہ معاشی استحکام حاصل ہو۔

④ صدقہ دیں: اپنے کام کاروبار میں مخلوقِ خدا کا حصہ ضرور رکھیں، صدقہ دینے سے ایک تو بلائیں ٹلتی ہیں اور مال محفوظ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مال میں برکت اور بڑھوتری کا سبب بھی ہے۔ ہمیں اپنے اردگرد لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھنا چاہیے، جتنی ہماری ہمت ہے۔ حدیث نبوی ﷺ میں آیا ہے، جس کا مفہوم ہے کہ: ’’اگر شوربہ بناؤ تو اس کو زیادہ کرلو، تاکہ ہمسائے کو بھجوا سکو۔‘‘ اور ایک جگہ فرمایا کہ: ’’اگر تم اور تمہارے بچے پیٹ بھر کر سوئیں اور تمہارے پڑوسی کے بچے بھوکے سوئیں تو ساری رات فرشتے تم پر لعنت کرتے ہیں۔‘‘

اسلام نے ہر مسلمان کو اس کی جگہ پر ایک مکمل ویلفیئر ٹرسٹ بنایا ہے، جس کا کام اپنی بساط کے مطابق اپنے اردگرد لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھنا ہے اور اس کو کرنے والے کو دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں کامیابی اور کامرانی کی بشارت بھی دی گئی ہے۔

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

غزوۂ تبوک میں پنہاں تربیتی پہلوؤں پر ایک نظر!

مولوی محمد طیب حنیف
متعلم دورہ حدیث، جامعہ

رجب سن ۹ ھ کا واقعہ ہے، جس میں مسلمانوں کے خلاف بنسبت مشرکینِ عرب و یہود کے زیادہ سخت وجنگجو رومن امپائر کی فوج برسرِ پیکار ہوئی، جنہیں نصف دنیا پر حکمرانیت کا طُرّہ امتیاز حاصل تھا، جس کی مسلح افواج نے حال ہی میں سلطنتِ ایران کو شکست سے دوچار کیا تھا، جن کی وسعتِ مالی، قوتِ بدنی وعسکری نظام وغیرہ کو پیشِ نظر رکھ کر مسلمانوں کی حالت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایک ''پرکاہ'' کا ''کوہ'' سے مقابلہ ہے۔ علاوہ ازیں عرب عیسائی قبائل لخم، جزام، عاملہ، قبیلہ غسان وغیرہ بھی مقامِ موتہ پر ہونے والی شکست فاش کا بدلہ وانتقام لینے کے واسطے بے چین وبے تاب اُن کے شانہ بشانہ شریک تھے۔ اس کے بالمقابل مسلمانوں کی زبوں حالی کا کچھ یوں حال تھا، جس کی تفصیل سے متعلق مشہور مؤرخ ابن اسحاقؒ رقم طراز ہیں:

''أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر أصحابهٗ بالتهيؤ لغزو الروم، وذٰلك في زمان من عسرة الناس، وشدّة من الحرّ، وجدب من البلاد، وحين طابت الأثمار، والناس يحبون المُقام في ثمارهم وظلالهم، و يكرهون الشخوص على الحال من الزمان الذين هم عليه، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم قلما يخرج في غزوة إلا كنى بها، وأخبر أنه يريد غير الوجه الذي يصمد له إلا ماكان من غزوة تبوك، فإنه بيّنها الناس؛ لبعد الشقة وشدة الزمان وكثرة العدو الذي يصمد له لتأهب الناس لذٰلك أهبته.'' (سیرتِ ابن ہشام:۲/۵۱۶)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جانثار صحابہؓ کو رومیوں کے خلاف جنگ کی تیاری کا حکم دیا، یہ اس وقت کی بات ہے جب لوگ کسمپرسی کی حالت میں، سخت گرمی، قحط سالی کا شکار تھے، جب کہ مدینہ کے نخلستان میں کھجوریں پک رہی تھیں (جس کا شدّت سے انتظار رہتا تھا)، جس پر اُگنے والی کھجوروں اوران کے زیرِ سایہ بیٹھنے کو ہر چیز سے محبوب جانا جاتا تھا، نیز ان پیش آمدہ حالت میں خود کو دھکیلنا طبیعت پر شاق وگراں معلوم ہوتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جس سمت سے جہاد پر روانگی کا قصد فرماتے اس کو عام لوگوں پر مخفی رکھتے، اور اس کے خلاف جہت کو (توریۃً) بیان

فرماتے تھے، مگر غزوۂ تبوک وہ واحد معرکہ تھا کہ جس میں آپ ﷺ نے مسافت کی دوری، حالات کی سختی اور فریقِ مخالف کی کثرتِ تعداد کے سبب لوگوں کو صراحتاً سمتِ سفر سے آگاہ کیا، تاکہ لوگ حسبِ حالت زادِراہ تیار کرلیں۔‘‘

اس معرکہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جاں نثاری اُخوتِ اسلامی کے اُن گراں قدر جذبات کا اظہار کیا کہ اوراقِ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ نیز اس میں قیامت تک کے انسانوں کے واسطے مختلف حیثیتوں سے تربیتی پہلوں نمایاں ہوتے ہیں، جس کو مشعلِ راہ بناتے ہوئے انسان دینی ودنیاوی ہر اعتبار سے ترقی کی منازل بآسانی طے کرسکتا ہے، جن میں سے چندفوائد ہدیۂ قارئین ہیں:

① راہِ خدا میں جانی و مالی قربانیاں پیش کرنے کا جذبہ

حضور نبی کریم ﷺ نے جب نفیرِ عام کا حکم دیا تو آپ ﷺ کی صرف ایک صدا پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بڑی تعداد کا ضروریاتِ زندگی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جہاد کے لیے نکلنا ان کے پاک طینت ہونے کی بیّن دلیل ہے۔ نیز اس کسمپُرسی کی کیفیت اور مسلمانوں کی شکستہ حالی کی بنا پر نبی کریم ﷺ نے عام تعاون کا اعلان کیا اور اس میں صدقہ خیرات کی ترغیبی مہم چلائی، جس پر شمع رسالت کے پروانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جس میں حضرت ذوالنورین عثمان غنی رضی اللہ عنہ ۹۰۰ اونٹ، ۱۰۰ گھوڑے اور ایک ہزار دینار پیش کرکے ’’مجھز جیش العسرۃ‘‘ کے لقب سے سرفراز ہوئے، جبکہ عبدالرحمٰن بن عوف -رضی اللہ عنہ- چالیس ہزار درہم راہِ خدا میں صرف کرکے مستحقِ اجر ہوئے۔ (سیرتِ ابن ہشام: ۲/ ۵۱۸)

② نیکی کے کاموں میں منافست ومسابقت مطلوب ہے

حضرت عمر -رضی اللہ عنہ- کا بیان ملتا ہے کہ میں نے سوچا کہ آج کے دن تو میں صدیق اکبر -رضی اللہ عنہ- سے بازی مارسکتا ہوں، چونکہ میری مالی حالت ان سے قدرے خوشحال ہے، اس بنا پر وہ اثاث البیت کا نصف جو ڈھائی ہزار روپیہ پر مشتمل تھا، پیش خدمت کیا، مگر قربان جائیں حضرت صدیق اکبر -رضی اللہ عنہ- کی جانثاری پر، جنہوں نے گھر میں اللہ اور رسول ﷺ کی محبت کے سوا کچھ بھی باقی نہ چھوڑا، گھر میں جو کچھ تھا، سب خدا کے نام پر نثار کردیا۔ جب یہ منظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا تو فرمایا کہ: مجھے معلوم ہوگیا، میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر کبھی بازی نہیں جیت سکتا۔ (حیاۃ الصحابہؓ: ۲/ ۱۵، انفاق الصحابۃؓ المال فی غزوۃ تبوک)

③ تعداد کی قلت وکثرت پر اعتماد دھوکہ شیطانی ہے

رومن امپائر افواج کی تعداد تقریباً ۴۰۰۰۰ (چالیس ہزار) تھی، جبکہ اس کے بالمقابل مسلمانوں کا تیس ہزار کا لشکر ’’كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللهِ‘‘ کا والہانہ نعرہ بلند کیے عشقِ نبوی سے

سرشار وادیوں وبستیوں کو قطع کیے جارہے تھے۔

④ عذر تراشی جرم میں اضافہ کا باعث ہے

مسلمانوں کے ہمراہ منافقین کی ایک بڑی تعداد اس سفر میں شریک ہوئی، مگر ان کی ایک جماعت نے مدینہ ہی میں تراشیدہ اعذار کے انبار لگا کر رخصت کا سوال کیا، جیسا کہ منافق جد بن قیس نے یہ عذر گڑھا کہ میں نہایت حسین وجمیل ہوں، بنو اصفر کی خواتین کو دیکھ کر نفس پر قابو نہیں پا سکتا، لہٰذا اس ابتلاء وفتنہ سے مجھے محفوظ رکھیں، جس کی شناعت وفتنہ میں پڑ جانے کو قرآن مجید نے یوں آشکارا کیا: ’’وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۔‘‘ (تفسیر قرطبی: ۸/ ۱۵۸، سورۃ التوبہ: ۴۹)

اس کے علاوہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن سلول اور اس کے ہمنوا وہم مشرب افراد مدینہ کے قریب ذُباب پہاڑی تک شریک ہوئے اور پھر موقع کو غنیمت جان کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

⑤ اجتماعی امورِ دینیہ میں رخنہ ورکاوٹ ڈالنے پر سخت تنبیہ

منافقین کی ایک بڑی تعداد خود تو شرکت سے باز رہی، جبکہ سویلم یہودی کے گھر جمع ہوکر سادہ لوح مسلمانوں کو جہاد جیسے عظیم امر سے روکنے کی مہم کا آغاز کیا، جیسا کہ قرآن مجید نے ان کا جملہ حکایۃً نقل کر کے ان کو سخت ڈانٹ پلائی: ’’وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا ۔‘‘ (البقرۃ: ۸۱) جب نبی کریم ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اس یہودی کے گھر کو نذرِ آتش کرنے کا حکم دیا۔ (سیرتِ ابن ہشام: ۲/ ۵۱۷)

⑥ فرائض کی تکمیل کے اسباب مہیا نہ ہونے پر غم کا اظہار

ایک طرف تو منافقین نے مختلف اعذار تراشے، اپنے تئیں خود کو جنگی صعوبتوں سے باز رکھا، تو دوسری جانب مالی اعتبار سے پسپاں حال مسلمانوں کی ایک جماعت رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں اشکبار حالت میں حاضرِ خدمت ہوئی، جس کا نقشہ قرآن مجید نے یوں کھینچا ہے:

’’وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ إِذَا مَآ أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ أَجِدُ مَآ أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ‘‘ (البقرۃ: ۹۲)

ترجمہ: ’’اور نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ تمہارے پاس اس غرض سے آئے کہ تم انہیں کوئی سواری مہیا کردو، اور تم نے کہا کہ: میرے پاس تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کرسکوں، تو وہ اس حالت میں واپس گئے کہ ان کی آنکھیں اس غم میں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں کہ ان کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں ہے۔‘‘

⑦ ایک دوسرے کے ساتھ احسان و مالی تعاون

جب حضور ﷺ کے پاس سے بھی سواری و زادِ راہ کا انتظام نہ ہوسکا تو ان حضرات کا نہایت افسردگی کے عالم میں حضرت ابن یامین بن عمیر -رضی اللہ عنہ- پر گزر ہوا، ان سے رونے کی وجہ معلوم ہونے پر انہوں نے سواری کے واسطے اونٹ اور زادِ راہ کے لیے کھجوریں فراہم کر کے امت کو ہمدردی کے جذبات کا ثبوت دیا۔ (سیرتِ ابن ہشام: ۲/ ۵۱۸)

⑧ سفرِ تبلیغ و جہاد میں روانگی سے قبل اہل وعیال کے واسطے نیابت کا اہتمام

یہ پہلا معرکہ تھا جس میں کسی زوجہ محترمہ کو ہمراہ لیے بغیر نبی کریم ﷺ عازمِ سفر ہوئے، اس بنا پر اہل وعیال کی دیکھ بھال کے لیے حضرت علی -کرّم اللہ وجہہ- کو اپنا جانشین مقرر کیا، اور سفر پر روانہ ہوئے، مگر منافقین نے ان کو پست ہمت وابتلاءِ نفاق کے طعنے دیتے ہوئے موردِ الزام ٹھہرایا، جس پر کبیدہ خاطر ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا رختِ سفر باندھا اور مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر مقام جُرف پر حضور ﷺ کے قافلے سے جا ملے، مگر اطلاع ملنے پر آپ نے انہیں دوبارہ لوٹنے کا حکم دیا، نیز ارشاد فرمایا:

’’اَلَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ، مِنْ مُّوسٰی إِلَّا اَنَّہٗ لَیْسَ نَبِيٌّ بَعْدِيْ.‘‘

(صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ تبوک، رقم الحدیث: ۴۴۱۶)

’’کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہیں مجھ سے اس نسبت کا شرف حاصل ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کو موسیٰ -علیہ السلام- کے کوہِ طور جانے پر (نسبتِ نیابت کا شرف) حاصل ہوا؟۔‘‘

یہ سن کر حضرت علی -کرّم اللہ وجہہ- مطمئن ہو کر واپس مدینہ لوٹ آئے۔

نوٹ: اس سے معلوم چلا کہ داماد کو بھی اہل وعیال کی دیکھ بھال کے لیے مقرر کیا جاسکتا ہے، نیز ’’اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی‘‘ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بھائی کو بھی اس خدمت پر مامور کیا جاسکتا ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان دونوں حیثیتوں کی جامع شخصیت تھے۔

⑨ عذابِ الٰہی کا مظہر بستیوں پر سے گزرتے ہوئے خشیت کے آثار کا ظہور

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قافلہ جب مقام حجر کو پہنچا، جہاں قوم ثمود کے کھنڈرات تھے، جہاں ہزاروں برس قبل حضرت صالح علیہ السلام نے توحید کی صدا بلند کی تھی، مگر ان کی دعوت پر لبیک کہنے کے بجائے ظلم وتعدی کی داستان رقم کرنے پر حق تعالیٰ شانہ نے ان پر زلزلے و کڑک کا عذاب مسلط کر کے ان کا نام ونشان تک مٹا دیا، البتہ پہاڑوں میں تراشیدہ قصر ومحلات زبانِ حال سے ان کی داستانِ عبرت سنا رہے تھے۔ نبی پاک ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو تاکید فرمائی: ’’ان ظالم لوگوں کی آبادی ومسکن سے گزرتے ہوئے حق تعالیٰ سے

ڈرو، مبادا یہ کہ وہی عذاب تم پر نازل نہ ہوجائے، کوئی شخص بھی یہاں قیام کی کوشش نہ کرے، یہاں کا پانی استعمال میں نہ لائے، اور جو پانی استعمال کرکے آٹا وغیرہ گوندھا گیا ہو، اسے جانور کے سامنے ڈال دیا جائے۔'' (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ تبوک، رقم الحدیث: ۴۴۱۸) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عبرت ناک مقام کو چہرۂ انور پر رومال ڈالے تیزی سے عبور کیا۔ حساس اور لطیف مزاج انسان کو عذاب زدہ مقامات پر ہزارہا سال بعد بھی ایک وحشت وغضب اُترتا محسوس ہوتا ہے، حضور علیہ السلام سے بڑھ کر ایسے اثرات کا احساس بھلا کس کو ہوسکتا تھا۔ (تاریخ امت مسلمہ، جلد اول، ص: ۳۶۴)

⑩ غیرتِ شرعی ایمان کا حصہ ہے

حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ سفرِ تبوک سے گرمی کی شدت کے پیش نظر لوٹ آئے تھے، جب اپنے باغ کے سایہ فگن خیمے میں داخل ہوئے اور اہلیہ کی جانب سے ٹھنڈا پانی پیش کیا گیا تو غیرتِ ایمانی واخوتِ اسلامی نے جوش مارا اور فرمانے لگے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم سخت گرمی کی تپش سے دوچار ہوں اور ابوخیثمہ یہاں ٹھنڈی چھاؤں وشیریں پانی سے لطف اندوز ہو، ضمیر نے ایسا جھنجھوڑا کی اسی وقت قسم اُٹھائی کہ اس باغ میں قدم بھی نہ رکھوں گا، حتیٰ کہ دوبارہ ان کے ساتھ شریک نہ ہوجاؤں، بہرحال اسی وقت عازمِ سفر ہوئے اور حاضرِ خدمت ہوئے، تاخیر کی وجہ دریافت کیے جانے پر سارا ماجرا بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خوب خیر کی دعاؤں سے نوازا۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/۵۲۱)

⑪ چھوٹوں کی رائے کو اہمیت کی نگاہ سے دیکھنا

روایت میں آتا ہے کہ سفر کے دوران بھوک کی شدت کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنے سواری کے جانور ذبح کرکے کھانے پر مجبور تھے، جب یہ سارا منظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ اس عمل سے اصحاب کو روک دیجئے، اس طرح تو سفر سے واپسی میں شدید دِقت پیش آئے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر اس کے علاوہ دوسری راہ کیا ہے؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زیرکی ودانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ سب کے پاس موجود زادِراہ جمع فرمالیں، اور آپ اس پر برکت کی دعا کیجئے، امید ہے کہ اللہ کی طرف سے راہ ہموار ہوجائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ پسند آیا، آپ نے اعلان کیا، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے پاس جو تھوڑا بہت زادِراہ محفوظ تھا، سب ایک چمڑے کے دسترخوان پر جمع کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر برکت کی دعا کی، اور فرمایا: ''خُذُوْا فِيْ أَوْعِيَتِكُمْ'' سب اپنے توشہ دان کو مکمل بھر لو، سب نے توشہ دان کو بھرا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اب تم لوگ کھاؤ۔ راوی کہتے ہیں کہ سب نے خوب سیر ہوکر کھایا، حتیٰ کہ بہت سارا کھانا اب بھی باقی رہا۔

⑫ کٹھن ومشکل مراحل طے کرتے وقت اکابر کے احکامات کی مخالفت سے احتراز

دورانِ سفر پانی کی قلت وسخت گرمی کے باعث پیاس سے بُرا حال تھا، اثناءِ سفر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل ہم مقامِ تبوک عین زوال کے وقت پہنچیں گے، لیکن یادرکھنا کہ مجھ سے سبقت کرکے چشمہ سے کوئی شخص پانی استعمال نہ کرے، صحابہؓ نے آپ کی بات پر لبیک کہا، لیکن چند منافقین نے سبقت کرکے پانی استعمال کیا، جس سے پانی میں گدلاپن آنے لگا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی سے ہاتھ منہ دھوکر دوبارہ اسی میں انڈیل دیا، اللہ کی شان اس میں معجزاتی طور پر خوب پانی بھر آیا۔(دلائل النبوۃ للبیہقی:۵/۲۳۶)

⑬ مخلص دوست کبھی پیٹھ نہیں پھیرتا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی سواری لاغر وکمزوری کی بنا پر لشکر سے کوسوں دور رہ گئی، جس کو دیکھ کر آپؓ نے اپنا سامان کمر پر لادکر پاپیادہ لشکر کی طرف بڑھنے کا فیصلہ کیا، دوسری جانب حضرات صحابہؓ نے آپ کی عدم موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چھوڑ دو، اگر اس میں خیر ہوگی تو اللہ اسے تم سے ملادیں گے، وگرنہ وہ شامل نہ ہوسکے گا'' ابھی یہ جملہ مکمل ہی ہوا تھا کہ اچانک دور سے ایک پاپیادہ کمر پر سامان لادے شخص کو آتا دیکھا گیا، جس پر بے ساختہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری ہوا ''کُن أباذر'' (شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ:۴/۸۳) (اے اللہ! یہ ابوذر کا آنا مقدر فرمادے)، اللہ کی شان وہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہی تھے، جنہوں نے اپنی رفاقتِ کاملہ کا عملی ثبوت پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تنہا اس حال میں آتا دیکھ کر فرمایا: ''رحم الله أبا ذر، يمشي وحدهٗ، يموت وحدهٗ، و يبعث وحدهٗ.'' (اللہ رحم فرمائے ابوذر پر، تن تنہا سفر کرتا ہے، سب سے دور علیحدہ موت کی آغوش میں سلایا جائے گا، اور آخر میں اکیلا قبر سے اُٹھایا جائے گا) چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر مقامِ ربذہ کو اہلیہ وخادم سمیت اپنا مسکن وموطن بنایا، اور عراق سے واپسی پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اس مقام سے گزر ہوا، آپ کی نعش کو اس طرح تنہا دیکھ کر نمازِ جنازہ پڑھائی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشنگوئی کو یاد کرکے آبدیدہ ہوگئے۔(الکامل:۲/۱۴۹)

⑭ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بحیثیت صلح پسند حاکم کا کردار

مقامِ تبوک پر دورانِ قیام مختلف قبائل کے زعماءِ یہود نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہوکر جزیہ قبول کرنے کی درخواست پیش کی، جن میں ایلہ مقام کے سربراہ یوحنّا بن روبہ کا نام سرِفہرست ملتا ہے، آپ نے ان تمام کی درخواست کو صلح وامن پسندی کے قیام کی خاطر قبول کیا۔ نیز حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دومۃ الجندل کے حاکم اُکیدر نصرانی کی گرفتاری کا حکم دیا، اور پیش گوئی فرمائی کہ وہ جانور کا شکار کرتے ہوئے شکار ہوگا، چنانچہ یوں ہی ہوا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کی تلاش میں روانہ ہوئے، تو دوسری طرف اُکیدر فلک بوس محل کی

چھت پر اہلیہ سمیت شہر کے اطراف واکناف کا نظارہ کرنے میں مصروف تھا کہ اچانک اس کی نگاہ نیل گائے پر پڑی، شکار کی محبت وفریفتگی کا یہ عالم تھا کہ خود پر قابو نہ پا سکا، اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ گرفتار ہوا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے جانے کے بعد ادائیگیِ جزیہ پر مصالحت سمیت لوٹا۔ (سیرتِ ابن ہشام: ۲/ ۵۲۷)

⑮ دنیا کی رذالت وعدمِ ثباتی کا ہر دم استحضار

جب اُکیدر نصرانی آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو بعض صحابہؓ نے اس کے قباء کی حسن رعنائی وملائمت کو دیکھا تو از راہِ تعجب اس کو چھونے لگے، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب کر کے پوری اُمت کے رُخ کو درست کیا، اور فرمایا کہ: تم اس پر حیرت وفریفتگی میں مبتلا ہو، بخدا جنت میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو پیش کیا جانے والا رومال اس سے بھی کئی گنا زیادہ خوبصورت وملائم ہے۔ (صحیح مسلم، رقم: ۲۴۶۸۹)

درحقیقت یہی فرق ہوتا ہے ایک نبی اور عام لیڈر کے مابین، عین اس وقت جب کہ معرکہ کارزار گرم ہو، تیروں کا مینہ برس رہا ہو، ہاتھ پاؤں اس طرح کٹ کٹ کر گر رہے ہوں جس طرح موسمِ خزاں میں پتے جھڑتے ہیں، دشمن کی فوجیں سیلاب کی طرح بڑھی آ رہی ہوں، عین اس وقت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی تربیت کا کوئی معمولی پہلو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

⑯ رفقاء کے ساتھ ایک غم خوار امیرِ کارواں کا کردار

سفرِ تبوک میں ایک مخلص صحابی حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کا بخار کی شدت کے باعث انتقال ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفسِ نفیس ان کے تکفین وتدفین کے مراحل میں شریک رہے، حتیٰ کہ اپنے دستِ اقدس سے ان کو سپرد خاک کر کے ایک غم خوار امیر کے کردار سے روشناس کیا، اور ان کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرمایا: ''اللّٰھم إني أمسيت راضياً عنه فارض عنه.'' (رحمۃ للعالمین، ص: ۱۱۸، حصہ اول)

⑰ تفرقہ بازی وفسادات کی دینِ اسلام میں بالکل گنجائش نہیں

''تبوک'' روانگی سے قبل منافقین نے مسلمانوں کے مابین باہمی پھوٹ ڈالنے اور مسلمانوں کی بیخ کنی کی غرض سے ایک مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا، جس کو ضرورت ومصلحت کے دلفریب جلی عنوان کے ساتھ سرکاری حیثیت دینے کی غرض سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف آوری کی درخواست پیش کی گئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفرِ تبوک سے واپسی پر حاضری کا وعدہ کیا، مگر اللہ رب العزت نے منافقین کے عزائم اور اس نام نہاد مسجد کی قلعی کھول کر حقیقتِ حال سے آگاہ کیا۔ (تفسیر قرطبی: ۸/ ۲۵۳) چنانچہ اس سلسلہ میں ان آیات کا نزول ہوا:

''وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًاۢ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ لَا تَقُمْ فِيْهِ

آبَدًا۔'' (توبہ:۱۰۷،۱۰۸)

ترجمہ:''اور جنہوں نے (ان اغراض کے لیے) مسجد بنائی کہ (اسلام کو) ضرر پہنچائیں اور (اس میں بیٹھ کر) کفر کی باتیں کریں، اور ایمانداروں میں تفریق ڈالیں، اور اس شخص کے قیام کا سامان کردیں جس اس کے قبل سے خدا اور رسول کا مخالف ہے، اور قسمیں کھا جاویں گے کہ بجز بھلائی کے ہماری اور کچھ نیت نہیں، اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ آپ اس میں کبھی (نماز کے لیے) کھڑے نہ ہوں۔''

⑱ اعترافِ جرم صفاءِ قلب کی علامت ہے

اس سفر میں صرف دس افراد بغیر کسی شک وارتیاب وعذرِ شرعی پا بہ رکاب نہ ہو سکے، جن میں کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم کے نام نمایاں تھے، البتہ حق وصداقت سے معمور دل نے ان حضرات کو منافقین کی طرح حیل وحجت پیش کر کے عذرخواہی کی جسارت سے باز رکھا، چنانچہ ندامت وپشیمانی کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا، مگر تکوینی نظام ومصلحت کے تحت ان حضرات سے مقاطعتِ کلامی کا حکم دیا گیا، چنانچہ تقریباً ۵۰ دن مقاطعت کے بعد ان تینوں حضرات کی قبولیتِ توبہ سے متعلق ان آیات کا نزول ہوا:

''وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔'' (التوبہ:۱۱۸)

ترجمہ:''اور ان شخصوں پر بھی (توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ ہو گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ خدا (کی گرفت) سے کہیں پناہ نہیں، بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے (اس وقت وہ خاص توجہ کے قابل ہوئے اور) پھر ان کے حال پر خصوصی توجہ فرمائی، تا کہ وہ آئندہ بھی رجوع کیا کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والے بڑے رحم کرنے والے ہیں۔''

⑲ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تمام رشتوں سے مقدم ہے

اس سماجی بائیکاٹ کے باعث نہایت رنج والم کی کیفیت کا سماں تھا، زمین باوجود اپنی وسعت تنگ محسوس ہو رہی تھی، اقارب اور دوست احباب سب بیگانے نظر آنے لگے تھے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرا نہایت قریبی دوست اور چچیرا بھائی ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بھی مجھے جواب نہ دیتا تھا، خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عالم تھا کہ آپ محبت بھری نگاہوں سے گوشۂ چشم سے میری شکستہ حالت کو مشاہدہ فرماتے، مگر ان کی جانب نگاہ اُٹھتے ہی معرضانہ رویہ دل چیر دیتا تھا۔ (صحیح بخاری) یہ سب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے آگے سرنگوں ہونے کا نتیجہ تھا۔

⑳ باطل واغیار کی جانب سے دنیاوی حشم وخدم کی پیشکش کو ٹھکرانا

رئیسِ غسان کو جب اس تمام واقعہ ومقاطعتِ کلامی کی اطلاع پہنچی، اس نے شام کا ایک قاصد حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور اس نے دنیاوی آسائش وآرائش کے دلفریب تخیلاتی مناظر کو بصورتِ خط پیش کیا، اس خط کا مندرجہ یہ تھا: ''ہم نے سنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہاری قدر نہ کی، اس لیے تم میرے پاس چلے آؤ، میں تمہاری شان کے موافق تم سے برتاؤ کروں گا۔'' حضرت کعب رضی اللہ عنہ معتوبِ نبوی ہونے کے باجود شدید برہم ہوئے اور خط کو تنور میں جھونک دیا۔

㉑ مسلمانوں کے مابین محبت وتعلق کے جذبات

اللہ کی طرف سے اجابتِ توبہ کی نوید سنائے جانے پر تمام مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، جس کی بشارت سلع نامی پہاڑ سے ایک بلند آواز شخص نے سنائی۔ روایت میں آتا ہے کہ وہ بلند آواز شخصیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔ اس خوش کُن خبر کو سنتے ہی حضرت کعب رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے مسجد نبوی حاضرِ خدمت ہوئے، صحابہ کرامؓ جوق در جوق مبارکباد دینے لگے، اور خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا۔ اس سلسلہ کی ایک یادگار گھڑی کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''مہاجرین میں سے سب سے پہلے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا، مجھ سے مصافحہ کر کے گلے لگایا، میں ان کے اس احسان کو کبھی نہیں بھلا سکتا۔'' (صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ تبوک، رقم الحدیث: ۴۴۱۸)

㉒ درست گوئی باعثِ نجات ہے

حضرت کعب رضی اللہ عنہ توبہ کی قبولیت پر فرماتے ہیں: ''اللہ رب العزت نے اسلام کی دولت سے سرفرازی کے بعد دوسری عظیم دولت صداقت گوئی کی اہمیت کو دل میں پیوستہ کیا، جس کی بدولت مجھے اس ابتلاء سے خلاصی نصیب ہوئی۔'' چنانچہ پھر عزم کیا کہ آئندہ کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا اور اس عہد کو تادمِ حیات بخوبی نبھایا۔ (صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ تبوک، رقم الحدیث: ۴۴۱۸) نیز حدیث شریف میں آتا ہے:

''سچی بات نیکی ہے، اور جنت کی جانب رہنما ہے، جبکہ جھوٹ گناہ ہے، اور گناہ جہنم کی جانب مفضی ہے۔''

ان تمام تربیتی پہلوؤں میں پوری اُمت کو غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے، جن کو مشعلِ راہ بناتے ہوئے ایک پُرسکون وپائیدار بھائی چارگی کے جذبات پر قائم معاشرہ میں ایک دوسرے کے حقوق کو بآسانی پورا کیا جا سکتا ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں ان باتوں کو سمجھنے وعملی زندگی میں زندہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

اعلانِ داخلہ برائے تعلیمی سال 1444-1445ھ

از شعبہ تعلیمات، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

داخلے کے لیے آن لائن فارم بھرنے کی تاریخ

بروز ہفتہ 2 اپریل 2023ء بمطابق 10 رمضان المبارک 1444ھ

تا

بروز جمعہ 28 اپریل 2023ء بمطابق 7 شوال المکرم 1444ھ

www.banuri.edu.pk/online-admission

تحریری امتحان (اولیٰ تا دورہ حدیث)

بروز اتوار 30 اپریل 2023ء بمطابق 9 شوال المکرم 1444ھ

تحریری امتحان (تخصصات)

بروز اتوار 7 مئی 2023ء بمطابق 16 شوال المکرم 1444ھ

نوٹ: تحریری امتحان میں شرکت کے لیے وفاق المدارس کا رجسٹریشن کارڈ اور قومی شناختی کارڈ لازمی ہے۔

قدیم طلبہ کا تجدید داخلہ

بروز پیر، منگل اور بدھ مؤرخہ 1، 2 اور 3 مئی 2023ء بمطابق 10، 11 اور 12 شوال

رابطہ نمبر

(12 تا 8 صبح) 021-34913570 - 34123366

شرائطِ داخلہ

جامعہ وشاخہائے جامعہ میں تعلیمی سال 1444-1445ھ میں درج ذیل درجات میں داخلوں کی محدود گنجائش ہے۔ داخلہ کے لیے آن لائن رجسٹریشن کی آخری تاریخ بروز جمعہ 28 اپریل بمطابق 7 شوال 1444ھ ہے۔ اس کے بعد داخلہ کے لیے رجسٹریشن نہیں ہوگی۔

نمبر شمار	مطلوبہ درجہ	شرطِ اہلیت
1	تخصص فی الفقہ	دورہ حدیث میں ممتاز (480 نمبر)
2	تخصص فی الفقہ (فاضلِ جامعہ)	دورہ حدیث کے تینوں امتحانات میں 70 فیصد (1540 نمبر)
3	تخصص فی الحدیث	دورہ حدیث 70 فیصد (420 نمبر)
4	تخصص فی الدعوۃ والارشاد	دورہ حدیث میں 70 فیصد (420 نمبر)
5	دورہ حدیث	سابعہ میں جید جدا (360 نمبر)
6	سابعہ	سادسہ میں جید جدا (360 نمبر)
7	سادسہ	خامسہ میں ممتاز (480 نمبر)
8	خامسہ	رابعہ میں جید جدا (360 نمبر)
9	رابعہ	ثانیہ میں ممتاز (480 نمبر)
10	ثالثہ	ثانیہ میں ممتاز (480 نمبر)
11	ثانیہ	درجہ اولیٰ میں ممتاز
12	درجہ اولیٰ	متوسطہ سوم میں جید یا مڈل پاس
13	اعدادیہ اول	کم از کم عمر 10 سے 12 سال
14	اعدادیہ دوم	چوتھی جماعت پاس، عمر 13 سال
15	اعدادیہ اول طالبات	جماعت سوم پاس، ناظرہ قرآن مجید
16	اولیٰ طالبات	میٹرک پاس
17	دراساتِ دینیہ	کم از کم عمر 20 سال

داخلہ کی مرحلہ وار ترتیب

پہلا مرحلہ: آن لائن رجسٹریشن (جامعہ کی ویب سائٹ پر داخلہ فارم پُر کریں)
(یہ مرحلہ بروز ہفتہ 2 اپریل 2023ء بمطابق 10 رمضان المبارک 1444ھ سے بروز جمعہ 28 اپریل 2023ء بمطابق 7 شوال المکرم 1444ھ تک جاری رہے گا)

دوسرا مرحلہ: کوائف کی چیکنگ اور رقم الجلوس کا اجراء (بروز ہفتہ 29 اپریل بمطابق 8 شوال المکرم 1444ھ)

تیسرا مرحلہ: تحریری امتحان (بروز اتوار 30 اپریل 2023ء بمطابق 9 شوال المکرم 1444ھ)

تحریری امتحان (تخصصات) (بروز اتوار 7 مئی 2023ء بمطابق 16 شوال المکرم 1444ھ)

چوتھا مرحلہ: تجوید کا جائزہ + تقریری امتحان + تقسیم بطاقۃ القبول

(بروز بدھ 3 مئی 2023ء بمطابق 12 شوال المکرم 1444ھ)

نوٹ

❶ پہلا مرحلہ آن لائن ہوگا یعنی آن لائن داخلہ کے لیے:
www.banuri.edu.pk/online-admission وزٹ کریں۔

❷ دوسرا مرحلہ کوائف چیکنگ، رقم الجلوس کا اجرا بروز ہفتہ 29 اپریل بمطابق 8 شوال کو ہوگا، جس میں جامعہ مرکز کے لیے داخلہ کے امیدوار طلبہ مرکز اور شاخوں کے لیے داخلہ کے امیدوار طلبہ مطلوبہ شاخ میں رجوع کریں گے۔

❸ تیسرا مرحلہ تحریری امتحان بروز اتوار 30 اپریل 2023ء بمطابق 9 شوال المکرم 1444ھ کو ہوگا۔ جامعہ مرکز کے لیے داخلہ کے امیدوار طلبہ مرکز میں اور شاخوں کے امیدوار طلبہ مطلوبہ شاخ میں امتحان دیں گے۔

❹ ادارہ اپنے طور پر بھی کوائف کی پڑتال کرے گا، کوائف کی صحت اور پڑتال کے بارے میں ادارے کی رائے حتمی ہوگی۔

❺ جامعہ مرکز میں تخصصات اور دورہ حدیث کے علاوہ تمام درجات میں داخلے غیر رہائشی ہیں۔

❻ رہائشی داخلے کے لیے شاخ کا انتخاب کریں۔

داخلہ کے لیے درج ذیل کوائف ہمراہ لائیں

① جامعہ کی ویب سائٹ پر فارم بھرنے کے بعد جامعہ کی طرف سے جاری کردہ آن لائن رجسٹریشن نمبر پیش کریں۔

② 18 سال یا اس سے زائد عمر کے طلبہ اصلی شناختی کارڈ اور اس کی دو عدد فوٹو کاپی لائیں اور حالیہ بنی ہوئی دو تصویریں لائیں۔

③ 18 سال سے کم عمر کے طلبہ فارم ب اور حالیہ بنی ہوئی دو تصویریں لائیں۔

④ داخلے کے خواہش مند تمام طلبہ اپنے والد/ رشتہ دار سرپرست کے شناختی کارڈ کی مصدقہ فوٹو کاپی اور فون نمبر لائیں۔

⑤ سابقہ وفاقی درجہ کی کشف الدرجات یا وفاق کا مصدقہ نتیجہ اور اس کی ایک فوٹو کاپی لائیں۔

⑥ درجہ اولیٰ کے علاوہ تمام درجات کے طلبہ وفاق المدارس کا رجسٹریشن کارڈ لازمی طور پر پیش کریں۔

⑦ درجہ اولیٰ کے لیے متوسطہ سوم کا کشف الدرجات یا مڈل کا مصدقہ سرٹیفکیٹ اور اس کی فوٹو کاپی لائیں۔

نوٹ: سرپرست رشتہ دار سے مراد طالب علم کا وہ قریبی عزیز ہوگا جو طالب علم کی ہر قسم کی ضمانت اٹھائے، ادارے کی طلب پر حاضر ہوسکے، نیز تجدیدِ داخلہ کے وقت تحریری ضمانت نامہ بھی جمع کرائے۔

جدید داخلے کے لیے تقریری وتحریری امتحان کی کتب کی تفصیل

نمبر شمار	مطلوبہ درجہ	تحریری امتحان	تقریری امتحان
1	تخصصات	ترمذی، شرح نخبۃ الفکر، منتخب الحسامی، ہدایہ جلد رابع	ہدایہ جلد ثالث
2	دورہ حدیث	مشکوٰۃ المصابیح، شرح نخبۃ الفکر	ہدایہ جلد رابع مکمل پارہ عم حفظ
3	سابعہ	جلالین، ہدایہ جلد ثانی	شرح العقائد
4	سادسہ	منتخب الحسامی، مختصر المعانی	ہدایہ جلد اول
5	خامسہ	شرح جامی، نور الانوار	دروس البلاغۃ
6	رابعہ	کنز الدقائق، اصول الشاشی	کافیہ/ شرح ابن عقیل
7	ثالثہ	مختصر القدوری، علم الصیغہ	ہدایۃ النحو
8	ثانیہ	تدریب الصرف، تدریب النحو الطریقۃ العصریۃ	صرف ونحو
9	اولیٰ	آٹھویں جماعت کی اردو، ریاضی اور انگریزی/ یادداشت	
10	اعدادیہ اول	اردو وانگریزی (حروف تہجی) ریاضی (1 سے 100 تک گنتی)	
11	اعدادیہ دوم	جماعت سوم کی اردو، انگریزی ریاضی اور جنرل نالج	
12	دراساتِ دینیہ	ناظرہ قرآن مجید اور اردو نوشت وخواند	

ملحوظہ: تمام درجات کے تحریری امتحان میں خوش نویسی اور عربی انشاء کے نمبرات بھی شامل ہوں گے۔

سحری میں دعا اور نیت سے متعلق چند احکام

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

❶ - اگر سحری کھانے کے بعد روزہ کی دعا پڑھنا یاد نہ رہے تو کیا روزے پر کوئی اثر پڑے گا؟

❷ - یہ نیت کی ہو کہ کل روزہ رکھے گا، جبکہ رمضان المبارک چل رہا ہو تو کیا اس سے روزہ پر کوئی اثر پڑے گا؟

❸ - کیا رمضان میں رات سے ہی نیت کرنا ضروری ہے؟

❹ - باقی گیارہ ماہ میں جو روزے رکھے جاتے ہیں اس میں رات سے نیت ضروری ہے؟

مستفتی: شکیل احمد

الجواب حامداً و مصلیاً

❶ - سحری کھانے کے بعد دعا پڑھنا ضروری نہیں ہے، بلکہ جب دل میں اتنا دھیان ہے کہ آج میرا روزہ ہے تو ایسی صورت میں روزہ ہو جائے گا۔ دعا نہ پڑھنے سے روزہ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

’’والنية معرفته بقلبه أن يصوم ... والسنة أن يتلفظ بها....الخ.‘‘

(الفتاویٰ الهندية، كتاب الصوم، الباب الأول في تعريفه، ج:۱، ص:۱۹۵، ط: ماجدية)

❷ - واضح رہے کہ زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر دل میں اتنا دھیان ہے کہ کل میں روزہ رکھوں گا یا کل میرا روزہ ہے، تو ایسی صورت میں روزہ ہو جائے گا، روزہ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

البتہ اگر دل میں کل روزہ رکھنے کے حوالے سے سرے سے ارادہ ہی نہ تھا اور بھوک نہ لگنے یا کسی اور وجہ سے بھوکا پیاسا رہا تو ایسی صورت میں روزہ نہیں ہوگا۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

’’وشرط صحة الأداء النية والطهارة عن الحيض والنفاس... الخ.‘‘

(الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الأول في تعريفه، ج:۱، ص:۱۹۵، ط: ماجدية)

❸ - رمضان المبارک میں رات سے روزہ کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر صبح کچھ کھایا پیا نہ ہو تو دن کو نصف النہار (ٹھیک دوپہر کے وقت) سے پہلے پہلے رمضان کے روزے کی نیت کرلینا درست ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ رات سے یا سحری کے وقت ہی سے نیت کرلی جائے۔

❹ - رمضان، نذرِ معین اور نفل کے ادا روزہ میں رات سے نیت ضروری نہیں ہے، بلکہ نصف النہار سے پہلے تک نیت کرلی تو درست ہے، البتہ رمضان، نذرِ معین اور نفل کے قضا روزے، نیز مطلق نذر اور کفارہ کے روزے میں رات سے نیت کرنا ضروری ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

’’وجاز صوم رمضان والنذر المعين والنفل ... من الليل إلٰى ماقبل نصف النهار... الخ.‘‘

(الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الأول في تعريفه، ج:۱، ص:۱۹۵، ط: ماجدية)

’’الدر المختار‘‘ میں ہے:

’’(فيصح) أداء (صوم رمضان والنذر المعين والنفل بنية من الليل) ...‘‘

’’رد المحتار‘‘ میں ہے:

’’(قوله: فيصح أداء صوم رمضان الخ) قيد بالأداء ، لأن قضاء رمضان وقضاء النذر المعيّن أو النفل الذي أفسدهٗ يشترط فيه التبييت والتعيّن... الخ.‘‘ (الدرالمختار، كتاب الصوم، ج:۲، ص:۳۷۷، ط: سعيد)

’’الأشباه والنظائر‘‘ میں ہے:

’’وإن كان غير أداء رمضان من قضاء أو نذر أو كفارة، فيجوز بنية متقدمة من غروب الشمس إلٰى طلوع الفجر ، ويجوز بنية مقارنة لطلوع الفجر... الخ.‘‘ (القاعدة الثانية، مباحث عشرة في النية، البحث السابع في وقتها، ص:۴۸، ط: قديمی)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
محمد عبدالقادر	محمد شفیق عارف	فضل الرحمٰن
الجواب صحیح		تخصصِ فقہِ اسلامی
شعیب عالم		جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

شوگر کے مریض کے لیے روزے کا حکم

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

میری عمر ۴۱ سال ہے، مجھے شوگر ہے، تین مہینوں سے ۴۹۴ چل رہی ہے۔ کتاب وسنت کی روشنی میں میرے لیے روزے کا کیا حکم ہے؟ روزے رکھوں یا نہ رکھوں؟ اگر نہ رکھوں تو بعد میں قضا کروں یا فدیہ ادا کرسکتا ہوں؟

مستفتی: محمد عظیم بنگش

الجواب حامداً و مصلیاً

واضح رہے کہ ڈاکٹر مطلقاً روزے سے منع کردے تو ہر روزے کے بدلے تقریباً دوکلو گندم یا اس کی قیمت فدیہ دے سکتا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کے بارے میں سائل اپنے معالج سے رجوع کرے، اگر وہ سائل کی بیماری کے پیشِ نظر روزہ رکھنے کی اجازت دے دے تو سائل روزہ رکھے، اور اگر ڈاکٹر منع کردے کہ روزہ نہ رکھا جائے، اس سے نقصان ہوسکتا ہے تو پھر فی الفور روزہ نہ رکھے۔ رمضان المبارک کے بعد چھوٹے دنوں میں قضاء کرنا ممکن ہو تو قضاء کرے، ورنہ فدیہ دے دے۔

''بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع'' میں ہے:

'' أما المريض فالمرخص منه هو الذي يخاف أن يزداد بالصوم وإليه وقعت الإشارة في الجامع الصغير .... وذكر الكرخي في مختصره أن المريض الذي يبيح الإفطار هو ما يخاف منه الموت أو زيادة العلة كائناً ما كانت العلة. ''

(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج:۲، ص:۹٤، فصل فى حكم فساد الصوم، ط: سعيد)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
ابوبکر سعید الرحمٰن	محمد انعام الحق	زبیر عبدالمجید
الجواب صحیح		دارالافتاء
محمد شفیق عارف		جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

..... ❀ ..... ❀ ..... ❀ .....

نقد و نظر

ادارہ

صيانة القرآن عن الاستهزاء والبهتان المسمى (ب)

مسئلہ طلاقِ ثلاثہ

افادات: حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ (پی ایچ ڈی، لندن)۔ ازقلم: جناب حافظ محمد اقبال رنگونی صاحب۔ صفحات: ۱۶۸۔ ناشر: ادارہ اشاعتِ اسلام مانچسٹر، برطانیہ۔ پاکستان میں ملنے کا پتا: صدیقی ٹرسٹ، المنظر اپارٹمنٹ ۴۵۸، گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک، کراچی

موجودہ زمانہ میں ایک بار پھر یہ بات اُچھالی جارہی ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں، تین نہیں ہوتیں، بلکہ ایک شمار ہوتی ہیں۔ یہ مغالطہ دینے کے لیے غلط طور پر احادیث کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اور جب ان کے سامنے قرآن کریم کی آیات، احادیث مبارکہ اور صحابہ کرامؓ کا عمل پیش کیا جاتا ہے تو اسے مختلف انداز سے تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا ہے، حالانکہ ساڑھے چودہ سو سال ہونے کو آئے ہیں، امت کے چاروں فقہاء اسی پر عمل پیرا اور اسی کے مطابق فتویٰ دیتے آئے ہیں۔ اس کتاب کے سببِ تالیف کے بارہ میں لکھا گیا ہے کہ برطانیہ کے اخبار میں چھاپے گئے ایک مضمون کے جواب میں حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مضمون قلم بند کیا تھا۔ افادۂ عام کی غرض سے اس کو کتابی شکل میں شائع کیا جارہا ہے۔ ٹائٹل پر کتاب کا تعارف یوں کرایا گیا ہے:

> ’’اس کتاب میں طلاقِ ثلاثہ اور مسئلہ حلالہ پر عالمانہ گفتگو کی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے کہ قرآن کریم کی آیات سے استہزاء کرنا مسلمانوں کا کام نہیں۔‘‘

اور اس کے ساتھ بطور ضمیمہ حافظ محمد اقبال رنگونی صاحب کا تالیف کردہ مضمون ’’أحسن الأثاث في بيان الطلاق الثلاث‘‘ بھی شاملِ اشاعت کیا گیا ہے۔ کتاب کا کاغذ، طباعت اور جلد بندی عمدہ ہے۔ اُمید ہے اس کتاب کا ایک بار ضرور مطالعہ کیا جائے گا۔